۱۷ عدد ۴، ۵

وقد اخذ میثاقکم ان کنتم مومنین (القرآن)

ماہنامہ

میثاق

لاہور

اپریل - مئی ۱۹۷۰ء

★

زیر سرپرستی

مولانا امین احسن اصلاحی

★

مدیر اعزازی

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

★

مدیر مسؤل

ڈاکٹر اسرار احمد

ایم-بی-بی-ایس (پنجاب) ایم-اے اسلامیات (کراچی)

★

یکے از مطبوعات

دارالاشاعۃ الاسلامیۃ لاہور

کوثر روڈ - اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور - 1 (فون 69522)

سلسلہ مطبوعات قرآن اکیڈمی نمبر ۲

مُسلمانوں پر

قرآن مجید کے حقوق

ڈاکٹر اسرار احمد
ایم بی بی ایس - ایم اے (اسلامیات)

یہ رسالہ جیسا کہ اس کے نام سے واضح ہے' برادرم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سلمہ نے ان حقوق و فرائض کی تشریح کےمقصد سے لکھا ہے جو ایک مسلمان پر قرآن سے متعلق عاید ہوتے ہیں - اس زمانے میں قرآن پر ایمان کے مدعیوں کی کمی نہیں ہے لیکن یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ اس ایمان کے تقاضے اور مطالبے کیا ہیں - ڈاکٹر صاحب سلمہ نے قرآن کے دلائل کی روشنی میں ان تقاضوں اور مطالبوں کی تشریح کی ہے اور بیک نظر محسوس ہوتا ہے کہ نہایت خوبی اور نہایت جامعیت کے ساتھ تشریح کی ہے - انداز بیان نہایت دلنشین ، دلائل نہایت محکم اور اسلوب خطاب نہایت ہی موثر اور درد مندانہ ہے - ہر مسلمان جو قرآن کے ساتھ اپنے تعلق کو صحیح بنیاد پر قائم کرنا چاہتا ہے ، اس رسالے میں بہترین رہنمائی پائے گا - اللہ تعالی ڈاکٹر صاحب کے قلم میں برکت دے کہ وہ ایسی بہت سی چیزیں لکھنے کی توفیق پائیں - ہماری بہت سی عزیز امیدیں ان سے وابستہ ہیں - (مولانا امین احسن اصلاحی)

سائز ۸/۲۲ × ۱۸ ، صفحات ۷۲ - طباعت آفسٹ ، خوشنما کور
قیمت فی نسخہ : ایک روپیہ

-: شائع کردہ :-

دار الاشاعۃ الاسلامیہ لاہور

کوئنز روڈ - اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور - 1 (فون 69522)

اطبا اور طلبۂ طب کے لیے
ایک مفید مجموعہ

غذا و پرہیز

اخبار الطب کی اشاعتِ خاص

علاج امراض میں غذا اور پرہیز کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ صحیح تشخیص اور بہترین تجویز کے باوجود اگر غذا اور پرہیز پر توجہ نہ کی جائے یا ذرا سی غفلت ہو جائے تو ازالۂ مرض اور صحت یابی میں خلل پڑ جاتا ہے۔

اخبار الطب کی اشاعتِ خاص "غذا و پرہیز" اسی نکتے کو پیش نظر رکھ کر مرتب کی گئی ہے اور اس میں تقریباً تمام امراض کے سلسلے میں غذاؤں اور پرہیز کی ضروری تفصیل دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ قدیم تجربات کے ساتھ ساتھ جدید تحقیقات پر معیاری مضامین شامل کیے گئے ہیں۔ اس طرح اخبار الطب کی اس اشاعتِ خاص کو ایک جامع کتاب کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے اور یہ اطبا اور طلبۂ طب کے علاوہ عام لوگوں کے لیے بھی ایک اچھا رفیق اور رہنما ثابت ہوگا۔

غذا و پرہیز پر یہ مفید مجموعۂ معلومات محفوظ رکھنے کے قابل ہے

بڑا سائز ۔ ۷۶ صفحات ۔ قیمت صرف ایک رُپیہ

جو حضرات اخبار الطب کے سالانہ خریدار بنیں گے
ان کو یہ اشاعت خاص بلا قیمت دی جائے گی۔
سالانہ قیمت صرف تین رُپے ہے

دفتر اخبار الطب، ہمدرد ڈاک خانہ کراچی ۱۸

پتّوں کی طرح زرد کیوں!
شاید آپ کے بچّے کے پیٹ میں کیڑے ہوں!

پیٹ کے کیڑے، کیچوے، کدو دانے اور چُنّے اکثر بچّوں کو کسی نہ کسی بیماری میں مبتلا رکھتے ہیں بلکہ بڑے بھی ان کی زد سے محفوظ نہیں۔
اگر انھیں نظر انداز کر دیا جائے تو یہ صحت کے لئے ایک مستقل خطرہ بن سکتے ہیں۔

کِرمار

پیٹ کے کیڑوں کا مؤثر علاج

ہمدرد لیبوریٹریز (وقف) پاکستان
کراچی ـــ لاہور ـــ ڈھاکہ ـــ چٹاگانگ

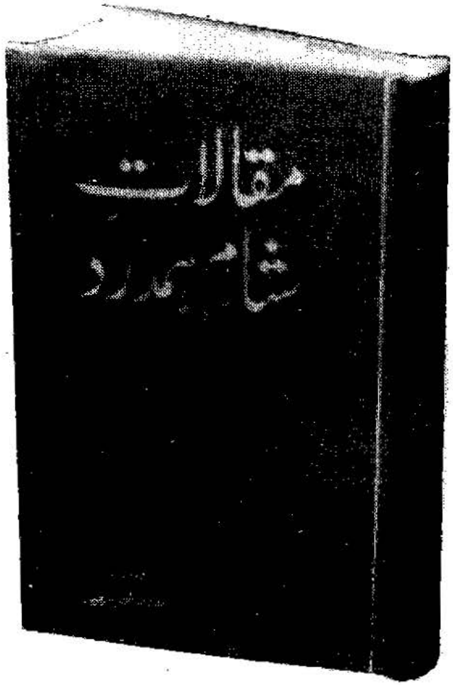

مقالاتِ شامِ ہمدرد

مرتّبہ : حکیم محمّد سعید

شامِ ہمدرد کی انجمن میں روشن ہونے والی وہ شمعیں ہیں، جو پاکستان کے نادرۂ روزگار عُلماء، شعراء، سائنسدانوں، ماہرینِ تعلیم اور قانون دانوں نے روشن کی ہیں اور جن کی روشنی سے اُردو زبان کے آفاق صدیوں تک مُنوّر رہیں گے ———

بڑے سائز کے ۳۰۰ صفحات
آفسٹ طباعت ———
آرٹ پیپر پر ۲۰ تصاویر

قیمت : ———
کاغذی جلد ۷/۵۰
مجلّدِ خاص ۱۵/-

ناشر

مکتبہ جدید ۴۔ شارع فاطمہ جناح، لاہور

دعوتِ توثیقِ عہدِ الست و تجدیدِ میثاقِ ایمان کا علم بردار

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد ۱۷
شمارہ ۴، ۵
بابت
اپریل، مئی ۱۹۷۰ء

زرِ تعاون
فی پرچہ ——— ایک روپیہ
سالانہ ——— دس روپے

شرائطِ ایجنسی
ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے
پرچہ صرف بذریعہ وی پی پی ارسال ہوگا
کمیشن ۲۵ فیصد ——— محصول ڈاک بذمہ "میثاق"

خط و کتابت اور ترسیلِ زر کا پتہ

دارالاشاعت الاسلامیہ کوثر روڈ اسلام پورہ دکرشن نگر) لاہور ۱ فون ۶۹۵۲۲
(رفیق رقم دفتر کتابت لاہور)

فہرست

* عرضِ مدیر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۳
* تذکرہ و تبصرہ
  * حرمتِ صحابہؓ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مولانا محمد یوسف بنوری، سرپرست ماہنامہ "بینات" کراچی ۵
* تدبرِ قرآن
  * تفسیر سورۂ اعراف (۲) مولانا امین احسن اصلاحی ۱۷
* مطالعہ حدیث
  * زراعت اور باغبانی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مولانا عبد الغفار حسن، استاذ الحدیث، جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ ۴۵
* تذکار محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)
  * نبی اکرمؐ محب و مونس کی حیثیت سے ۔ ۔ ۔ تحریر: علامہ عباس محمود العقاد، ترجمہ: حکیم سید افتخار حسن ندوی ۴۹
  * آنحضرتؐ بحیثیت شوہر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حکیم محمد سعید دہلوی ۵۷
* افکار و آراء
  * مکتوب مولانا عبد الغفار حسن۔ بجواب "تاریخ تصوف اسلامی" ۶۳
* اخبار العلمیہ ۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی
  * پروفیسر اے۔ جے۔ آربری ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۶۵
  * معانی الملہم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۶۷
  * فتوحات مکیہ کا ایک نادر نسخہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۶۷
* تنقید و تبصرہ ۔ ادارہ ۷۳
  * وقائع زندگانی ام ہانیؓ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ حدیث ثقلین ۔ ۔ ۔ ۔
  * مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق ۔ ۔ ۔ ۔ دلائل فاتحہ شریف ۔ ۔ ۔

اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مدیر

میثاق کا یہ شمارہ بھی بہت تاخیر سے شائع ہو رہا ہے۔ میثاق کی اشاعت میں بے قاعدگی کو چھ ماہ سے زائد ہو گئے ہیں۔ اور اب تو معذرت کرتے ہوئے بھی خجالت محسوس ہوتی ہے۔ بہرحال تمام معاملات اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں۔ اور اس کی مشیت کے آگے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں۔

ہمارا خیال تھا کہ یہ پرچہ مئی کے بالکل شروع میں شائع کر دیں گے۔ لیکن اب جو خوشنویس حضرات سے رجوع کیا تو بڑی پریشان کن صورت نظر آئی۔ "میثاق" کے مستقل خوشنویس طویل تعطل سے تنگ آ کر کچھ دوسرے کام ہاتھ میں لے چکے تھے، اور ان کا عذر چونکہ معقول تھا لہٰذا ان سے کچھ کہنے سننے کا موقع نہ تھا۔ دوسرے تمام کاتب حضرات آجکل بے حد مصروف ہیں اور کوئی بات کرنے کا بھی روادار نہیں۔ بمشکل بھاگ دوڑ کر کے یہ مرحلہ سر ہوا۔ اگرچہ نہایت ناقابلِ اطمینان طریقے پر۔ کتابت بھی اچھی نہیں ہو سکی اور غلطیاں بھی بہت رہ گئی ہیں۔ چنانچہ یہ شمارہ ہم بہت بوجھل دل کے ساتھ قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں کچھ اس خیال کے پیش نظر کہ کچھ نہ ہونے سے تو یہی غنیمت ہے، اور کچھ اس وجہ سے کہ اشاعت میں مزید تاخیر سے ڈیکلریشن بھی خطرے میں پڑ سکتا ہے

"تذکرہ و تبصرہ" کے ذیل میں اس مرتبہ ہم مولانا محمد یوسف بنوری مدظلہٗ کی ایک اہم تحریر "عصمتِ انبیاءؑ اور حرمتِ صحابہؓ" کا حرمتِ صحابہ رضؓ سے متعلق حصّہ پیش کر رہے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس موضوع پر مولانا کی یہ تحریر ایک طرف نہایت جامع اور مدلل، دوسری طرف حد درجہ پرسوز و اثر انگیز اور اس کے ساتھ ساتھ نہایت شائستہ و متین ہے۔ اللہ مولانا کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان لوگوں کو ہدایت دے جو اپنی وقتی ضرورتوں اور گروہی مصلحتوں کی خاطر حرمتِ صحابہؓ کو مجروح اور اعداءِ صحابہ رضؓ

کے ہاتھوں کو مضبوط کر رہے ہیں۔

راقم نے جس موضوع پر مفصل اظہار خیال کا وعدہ گزشتہ شمارے کے تذکرہ وتبصرہ میں کیا تھا اس پر ابھی تک بوجوہ قلم نہیں اٹھ سکا۔ کچھ تو طبیعت کی مسلسل ناسازی سے صورت یہ ہو گئی ہے کہ کچھ لکھنے کو جی نہیں چاہتا۔ پھر موضوع کی نزاکت بھی ابھی قلم کو روکے ہوئے ہے۔ بہرحال اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا تو آئندہ اشاعت میں وہ وعدہ پورا ہو گا۔

مخدومی پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی جو تالیف "تاریخ تصوف اسلامی" سلسلہ وار 'میثاق' میں شائع ہو رہی ہے اس پر بعض حضرات کو یہ اعتراض ہے کہ اس میں بہت سی باتیں دین کے مزاج سے بہت بعید بھی شائع ہو جاتی ہیں۔ اس سلسلے میں ہماری گزارش یہ ہے کہ یہ دراصل ایک خالص علمی موضوع پر تحقیقی نوعیت کی تالیف ہے جس میں ایک تاریخی ترتیب کے ساتھ مسلمان صوفیا کی تصانیف کے جائزے کے ذیل میں ان کے افکار و خیالات کا خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ ہر صاحب تصنیف صوفی کی ہر رائے یا خیال سے نہ پروفیسر صاحب کو کلی اتفاق ہے نہ ہی 'میثاق' میں اس مضمون کی اشاعت کا مطلب یہ ہے کہ 'میثاق' ان افکار و خیالات کا مبلغ ہے۔ یہ سوالات خالص علمی نوعیت کے ہیں کہ مثلاً جنید ؒ کا نظام فکر کیا تھا، یا حلاج کون تھا اور اس کے نظریات کیا تھے؟۔ اس کتاب میں ان سوالات کے جوابات ہیں اور بس! اس کا کوئی تعلق پرچے کی پالیسی یا اس کی دعوت سے نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ لبا اوقات چھپنے سے پہلے راقم الحروف اس سلسلہ مضامین کی اقساط کو پڑھتا بھی نہیں۔

پھر یہ دعوٰے بھی ہرگز نہیں ہے کہ یہ سلسلہ مضامین غلطی سے پاک ہے، ہر علمی تصنیف کی طرح یہ تالیف بھی خطا و صواب کے جملہ احتمالات کی متحمل ہے اور اظہار اختلاف اور تنقید و تردید کا اہل علم کو پورا حق حاصل ہے۔ چنانچہ اس پرچے میں بھی ایک تنقیدی خط مولانا عبد الغفار حسن صاحب کا شائع کیا جا رہا ہے اور آئندہ بھی ہر صاحب علم کو اظہار رائے کی کھلی دعوت ہے۔ راقم نے پروفیسر صاحب کے ساتھ اپنے چار سال کے تعلق سے یہ بات اچھی طرح جان لی ہے کہ وہ ایک مخلص "طالب علم" ہیں اور نہ صرف یہ کہ اپنی ہر رائے پر تنقید سننے کو ہر وقت خندہ پیشانی کے ساتھ تیار رہتے ہیں بلکہ ہر معقول بات کو قبول کرنے کے لیے کھلے دل کے ساتھ آمادہ بھی رہتے ہیں، حتیٰ کہ لبا اوقات راقم کی نشاندہی پر بھی ایسی غلطی کو تسلیم کر لیتے ہیں حالانکہ راقم عمر میں ان کا پورا نصف ہے اور مطالعے اور وسعت معلومات میں جا شائبہ مبالغہ ان کے پاسنگ کی حیثیت بھی نہیں رکھتا۔ (باقی صفحہ ۴۲ پر)

تذکرہ و تبصرہ

حرمتِ صحابہؓ

از قلم:
مولانا محمد یوسف بنوری

ماخوذ از
ماہنامہ بینات، کراچی

حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب خاتم النبیین ہوئے، اور منصب رسالت و نبوت کی سیادتِ کبریٰ سے مشرف ہوئے اور آپ کی شریعت کو آخری شریعت اور قیامت تک آنیوالی تمام قوموں اور نسلوں کیلئے آخری قانون بنایا گیا تو اس کے لیے دو چیزوں کی ضرورت تھی ایک یہ کہ یہ آسمانی قانون قیامت تک جوں کا توں محفوظ رہے۔ ہر قسم کی تحریف و تبدیل سے اس کی حفاظت کی جائے۔ الفاظ کی بھی اور معانی کی بھی۔ کیونکہ اگر الفاظ کی حفاظت ہو اور معانی کی حفاظت نہ ہو، تو یہ حفاظت بالکل بے معنی ہے۔ دوم یہ کہ جس طرح علمی حفاظت ہو اسی طرح عملی حفاظت بھی ہو، اسلام محض چند اصول و نظریات اور علوم و افکار کا مجموعہ نہیں بلکہ وہ اپنے جلو میں ایک نظامِ عمل لے کر چلتا ہے، وہ جہاں زندگی کے ہر شعبہ میں اصول و قواعد پیش کرتا ہے وہاں ایک ایک جزئیہ کی عملی تشکیل بھی کرتا ہے، اس لیے یہ ضروری تھا کہ شریعتِ محمدیہ (علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام) کی علمی و عملی دونوں پہلوؤں سے حفاظت کی جائے اور قیامت تک ایک ایسی جماعت کا سلسلہ قائم رہے جو شریعتِ مطہرہ کے علم و عمل کی حامل و امین ہو حق تعالیٰ نے دین محمدی کی دونوں طرح حفاظت فرمائی علمی بھی اور عملی بھی۔

حفاظت کے ذرائع میں صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی جماعت سرفہرست ہے، ان حضرات نے براہِ راست صاحبِ وحی صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کو سمجھا، دین پر عمل کیا اور اپنے بعد آنیوالی نسل تک

دین کو من وعن پہنچایا، انہوں نے آپ کے زیر تربیت رہ کر اخلاق واعمال کو ٹھیک ٹھیک منشائے خداوندی کے مطابق درست کیا، سیرت وکردار کی پاکیزگی حاصل کی تمام باطل نظریات سے کنارہ کش ہوکر عقائد حقہ اختیار کیے رضائے الٰہی کے لیے اپنا سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر نچھاور کردیا۔ ان کے کسی طرزِ عمل میں ذرا خامی نظر آئی تو فوراً حق جل مجدہٗ نے اس کی اصلاح فرمائی۔ الغرض حضرات صحابہ کرامؓ کی جماعت اس پوری کائنات میں وہ خوش قسمت جماعت ہے جن کی تعلیم وتربیت اور تصفیہ وتزکیہ کے لیے سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو معلّم ومزکّی اور استاذ و اتالیق مقرر کیا گیا۔ اس انعام خداوندی پر وہ جتنا شکر کریں کم ہے، جتنا فخر کریں بجا ہے۔

لقد منّ اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم اٰیٰتہٖ ویزکیھم ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین (آل عمران ع ۱۷)

بخدا بہت بڑا احسان فرمایا اللہ نے مومنین پر کہ بھیجا ان میں ایک عظیم الشان رسول ان ہی میں سے وہ پڑھتا ہے ان کے سامنے اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور گہری دانائی، بلاشبہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علمی وعملی میراث اور آسمانی امانت چونکہ ان حضرات کے سپرد کی جارہی تھی اس لیے ضروری تھا کہ یہ حضرات آئندہ نسلوں کے لیے قابلِ اعتماد ہوں چنانچہ قرآن وحدیث میں جابجا ان کے فضائل ومناقب بیان کئے گئے چنانچہ ار

الف : وحی خداوندی نے ان کی تعدیل فرمائی، ان کا تزکیہ کیا، ان کے اخلاص وللّٰہیت پر شہادت دی، اور انہیں یہ رتبہ بلند ملا، کہ ان کو رسالت محمدیہ (علی صاحبہا الف الف صلوٰۃ وسلام) کے عادل گواہوں کی حیثیت سے ساری دنیا کے سامنے پیش کیا۔

محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم تراھم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود۔ (الفتح ع ۴)

محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اللہ کے سچے رسول ہیں اور جو ایماندار آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں شفیق ہیں، تم ان کو دیکھو گے رکوع، سجدے میں وہ چاہتے ہیں صرف اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی۔ ان کی علامت ان کے چہروں میں سجدے کا نشان۔

گویا یہاں محمد رسول اللہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں) ایک دعویٰ ہے اور اس کے ثبوت میں

حضرات صحابہ کرام کی سیرت و کردار کو پیش کیا گیا ہے کہ جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت میں شک و شبہ ہو، اسے آپ کے ساتھیوں کی پاکیزہ زندگی کا ایک نظر مطالعہ کرنے کے بعد خود اپنے ضمیر سے یہ فیصلہ لینا چاہئے کہ جس کے رفقا اتنے بلند سیرت اور پاکباز ہوں وہ خود صدق و راستی کے کتنے اونچے مقام پر فائز ہوں گے ۔

" کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا"

ب ۔ حضرات صحابہؓ کے ایمان کو "معیار حق" قرار دیتے ہوئے نہ صرف لوگوں کو اس کا نمونہ پیش کرنے کی دعوت دی گئی، بلکہ ان حضرات کے بارے میں لب کشائی کرنیوالوں پر نفاق و سفاہت کی دائمی مہر ثبت کر دی گئی۔

واذا قیل لھم اٰمنوا کما اٰمن الناس - قالوا انؤمن کما اٰمن السفھاء - الا انھم ھم السفھاء ولکن لا یعلمون (البقرہ:۱۳)	اور جب ان (منافقوں) سے کہا جاتے تم بھی ایسا ہی ایمان لاؤ جیسا کہ دوسرے لوگ (صحابہ کرامؓ) ایمان لاتے ہیں تو جواب میں کہتے ہیں کیا ہم ان بے وقوفوں جیسا ایمان لائیں، سن رکھو یہ خود ہی بے وقوف ہیں مگر نہیں جانتے

ج ۔ حضرات صحابہ کرامؓ کو بار بار "رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ" اللہ ان سے راضی ہوا وہ اللہ سے راضی ہوتے) کی بشارت دی گئی ، اور امت کے سامنے یہ اس شدت و کثرت سے دہرایا گیا کہ صحابہ کرامؓ کا یہ لقب امت کا تکیہ کلام بن گیا ، کسی نبی کا اسم گرامی آپ علیہ السلام " کے بغیر نہیں لے سکتے اور کسی صحابی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نام نامی رضی اللہ عنہ کے بغیر مسلمان کی زبان پر جاری نہیں ہو سکتا ۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف ظاہر کو دیکھ کر راضی نہیں ہوا ، نہ صرف ان کے موجودہ کارناموں کو دیکھ کر ۔ بلکہ ان کے ظاہر و باطن اور حال و مستقبل کو دیکھ کر ان سے راضی ہوا ہے ۔ یہ گویا اس بات کی ضمانت ہے کہ آخر دم تک ان سے رضائے الٰہی کے خلاف کچھ صادر نہ ہو گا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جس سے خدا راضی ہو جائے خدا کے بندوں کو بھی اس سے راضی ہو جانا چاہیئے ، کسی اور کے بارے میں تو ظن و تخمین ہی سے کہا جا سکتا ہے کہ خدا اس سے راضی ہے یا نہیں ، مگر صحابہ کرامؓ کے بارے میں تو نص قطعی موجود ہے ۔ اس کے باوجود اگر کوئی ان سے راضی نہیں ہوتا تو گویا اسے اللہ تعالیٰ سے اختلاف ہے اور پھر صرف اتنی بات کو کافی نہیں سمجھا گیا کہ "اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا" بلکہ اسی کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ "وہ اللہ سے راضی ہوتے" یہ ان حضرات کی عزت افزائی کی انتہا ہے ۔

د ۔ حضرات صحابہ کرامؓ کے مسلک کو "معیاری راستہ" قرار دیتے ہوئے اس کی مخالفت کو براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے ہم معنی قرار دیا گیا اور ان کی مخالفت کرنے والوں کو وعید سنائی گئی ۔

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نوله ما تولّٰی ...... الآیۃ (النساء ۶ ۱۷)	اور جو شخص مخالفت کرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جب کہ اس کے سامنے ہدایت کھل چکی اور چلے مومنوں کی راہ چھوڑ کر، ہم اسے پھیر دیں گے جس طرف پھرتا ہے۔

آیت میں "المومنین" کا اوّلین مصداق اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس جماعت ہے۔ (رضی اللہ عنہم) اس سے واضح ہوتا ہے کہ اتباع نبوی کی صحیح شکل صحابہ کرام کی سِیَر وکردار اور ان کے اخلاق واعمال کی پیروی میں منحصر ہے اور یہ بھی ممکن ہے جب کہ صحابہ کی سیرت کو اسلام کے اعلیٰ معیار پر تسلیم کیا جائے۔

۵۔ اور سب سے آخری بات یہ کہ انھیں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سایہ عاطفت میں آخرت کی ہر عزت سے سرفراز کرنے اور ہر ذلت ورسوائی سے محفوظ رکھنے کا اعلان فرمایا گیا۔

یوم لا یخزی اللہ النبی والذین آمنوا معه نورهم یسعٰی بین ایدیهم وبایمانهم	جس دن رسوا نہیں کریگا اللہ تعالیٰ نبی کو اور جو مومن ہوئے آپ کے ساتھ ان کا نور دوڑتا ہوگا ان کے آگے اور ان کے داہنے۔

اس قسم کی بیسیوں نہیں سینکڑوں آیات میں صحابہ کرام رضؓ کے فضائل ومناقب مختلف عنوانات سے بیان فرمائے گئے ہیں۔ اور اس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ دین کے سلسلۂ سند کی پہلی کڑی اور حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ حضرات کی جماعت معاذ اللہ۔ ناقابل اعتماد ثابت ہو۔ ان کے اخلاق واعمال میں خرابی نکالی جاتے اور ان کے بارے میں یہ فرض کرلیا جائے کہ وہ دین کی علمی وعملی تعبیر نہیں کر سکے تو دین اسلام کا سارا ڈھانچہ ہل جاتا ہے اور خاکم بدہن رسالت محمدیہ مجروح ہوجاتی ہے۔

دنیا کا ایک معروف قاعدہ ہے کہ اگر کسی خبر کو رد کرنا ہو تو اس کے راویوں کو جرح وقدح کا نشانہ بناؤ ان کی سیرۃ وکردار کو ملوث کرو اور ان کی ثقاہت وعدالت کو مشکوک ثابت کرو۔ صحابہ کرامؓ چونکہ دین محمدیؐ کے سب سے پہلے راوی ہیں۔ اس لیے چالاک فتنہ پردازوں نے جب دینِ اسلام کے خلاف سازش کی اور دین سے لوگوں کو بدظن کرنا چاہا تو ان کا سب سے پہلا ہدف صحابہ کرامؓ تھے چنانچہ تمام فرق باطلہ اپنے نظریاتی اختلاف کے باوجود جماعت صحابہ کو ہدف تنقید بنانے میں متفق نظر آتے ہیں ان کی سیرت وکردار کو داغدار بنانے اور ان کی شخصیت کو نہایت گھناؤنے رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی۔ ان کے اخلاق واعمال پر تنقیدیں کی گئیں۔ ان پر مال وجاہ کی حرص میں احکام خداوندی سے پہلو تہی کرنے کے الزامات دھرے گئے اور ان پر خیانت

غضب اور کلبہ پروری اقربا نوازی کی تہمتیں لگائی گئیں۔ اور غلو و انتہا پسندی کی حد ہے کہ جن پاکیزہ ہستیوں کے ایمان کو حق تعالیٰ نے "معیار" قرار دے کر ان جیسا ایمان لانے کی لوگوں کو دعوت دی تھی۔ امنوا کما امن الناس۔ انہی کے ایمان و کفر کا مسئلہ زیر بحث لایا گیا۔ اور تکفیر و تفسیق تک نوبت پہنچا دی گئی جن جانبازوں نے دین اسلام کو اپنے خون سے سیراب کیا تھا۔ انہی کے بارے میں چیخ چیخ کر کہا جانے لگا کہ وہ اسلام کے اعلیٰ معیار پر قائم نہیں رہے تھے جن مردان خدا کے صدق و امانت کی خدا تعالیٰ گواہی دی تھی۔

رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر. وما بدلوا تبديلا۔ (سورہ احزاب)

یہ وہ "مرد" ہیں جنہوں نے سچ کر دکھایا جو عہد انہوں نے اللہ سے باندھا۔ بعض نے تو جان عزیز تک اسی راستہ میں دیدی اور بعض (بے چینی سے) اس کے منتظر ہیں اور ان کے عزم و استقلال میں ذرا تبدیلی نہیں ہوئی۔

انہی کے حق میں بتایا جانے لگا کہ نہ وہ صدق و امانت سے موصوف تھے۔ نہ اخلاص و ایمان کی دولت انہیں نصیب تھی۔ جن مخلصوں نے اپنے بیوی بچوں کو، اپنے گھر بار کو۔ اپنے عزیز و اقارب کو اپنے دوست احباب کو، اپنی ہر لذت و آسائش کو، اپنے جذبات و خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے۔ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دیا تھا۔ انہی کو یہ طعنہ دیا گیا کہ وہ محض حرص و ہوا کے غلام تھے اور اپنے مفاد کے مقابلے میں خدا کے اور رسول کے احکام کی انہیں کوئی پرواہ نہیں تھی۔ لقد جئتم شيئاً اداً

ظاہر ہے کہ اگر امت کا معدہ ان بے ہودہ نظریات کی مردہ مکھی کو قبول کر لیتا اور ایک بار بھی صحابہ کرام امت کی عدالت میں مجروح قرار پاتے تو دین کی پوری عمارت گر جاتی قرآن کریم اور احادیث نبویہ سے امان اٹھ جاتا اور یہ دین جو قیامت تک قائم رہنے کے لیے آیا تھا ایک قدم آگے نہ چل سکتا۔ مگر یہ سارے فتنے جو بعد میں پیدا ہونے والے تھے علم الٰہی سے اوجھل نہیں تھے۔ اس کا اعلان تھا۔

والله متم نوره ولو كره الكافرون۔ (سورۂ صف)

اور اللہ اپنا نور پورا کر کے رہے گا۔ خواہ کافروں کو کتنا ناگوار ہو۔

یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ نے بار بار مختلف پہلوؤں سے صحابہ کرام کا تزکیہ فرمایا۔ ان کی توثیق و تعدیل فرمائی اور قیامت تک کے لیے یہ اعلان فرما دیا۔

اولئك كتب في قلوبهم　　یہی وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے لکھ دیا ان کے دلوں

الایمان وایدھم بروح منہ۔

ایمان اور مدد دی ان کو اپنی خاص رحمت سے

ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرامؓ کے بے شمار فضائل بیان فرماتے بالخصوص خلفائے راشدین، حضرت ابوبکرؓ صدیق، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ ذی النورین، حضرت علیؓ مرتضےٰ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فضائل کی تو انتہا کر دی۔ جس کثرت وشدت اور تواتر و تسلسل کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کرام کے فضائل و مناقب ان کے مزایا و خصوصیات اور ان کے اندرونی اوصاف و کمالات کو بیان فرمایا اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے علم میں یہ بات لانا چاہتے تھے کہ انہیں عام افرادِ امت پر قیاس کرنے کی غلطی نہ کی جائے ان حضرات کا تعلق چونکہ براہِ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے ہے۔ اس لیے ان کی محبت عین محبتِ رسول ہے اور ان کے حق میں ادنیٰ لب کشائی ناقابلِ معافی جرم۔ فرمایا:

اللہ اللہ فی اصحابی۔ اللہ اللہ فی اصحابی لا تتخذوھم غرضاً من بعدی فمن احبھم فبحبی احبھم ومن ابغضھم فببغضی ابغضھم ومن اذاھم فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ ومن اذی اللہ فیوشک ان یاخذہ۔

(ترمذی)

اللہ سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرو۔ میرے صحابہ کے معاملہ میں۔ مکرر کہتا ہوں اللہ سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرو میرے صحابہ کے معاملہ میں۔ ان کو میرے بعد ہدفِ تنقید نہ بنانا۔ کیونکہ جس نے ان سے محبت کی تو میری محبت کی بنا پر اور جس نے ان سے بدظنی کی تو مجھ سے بدظنی کی بنا پر جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑ لے

امت کو اس بات سے بھی آگاہ فرمایا گیا کہ تم میں سے اعلیٰ سے اعلیٰ فرد کی بڑی سے بڑی نیکی ادنیٰ صحابی کی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کا مقابلہ نہیں کرسکتی اس لیے ان پر زبانِ تشنیع دراز کرنے کا حق امت کے کسی فرد کو حاصل نہیں۔ ارشاد ہے:

لا تسبوا اصحابی، فلو ان احدکم انفق مثل احد ذھباً ما بلغ مد احدھم ولا نصیفہ۔

(بخاری ومسلم)

میرے صحابہؓ کو برا بھلا نہ کہو (کیونکہ تمہارا رتبہ ان کے مقابلہ میں اتنا بھی نہیں جتنا پہاڑ کے مقابلہ میں ایک تنکے کا ہوسکتا ہے چنانچہ) تم میں سے ایک شخص احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کردے تو ان کے ایک سیر جَو کو نہیں پہنچ سکتا اور نہ اس کے عشرِ عشیر کو۔

مقامِ صحابہؓ کی نزاکت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ امت کو اس بات کا پابند کیا گیا کہ ان کی عیب جوئی کرنیوالوں کو نہ صرف ملعون و مردود سمجھیں بلکہ برملا اس کا اظہار کریں فرمایا۔

اذا رایتم الذین یسبون اصحابی فقولوا لعنۃ اللہ علی شرکم۔[1]

(ترمذی شریف)

جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کو بُرا بھلا کہتے اور انہیں ہدفِ تنقید بناتے ہیں تو ان سے کہو تم میں سے (یعنی صحابہ اور ناقدین صحابہؓ میں سے) جو برا ہے اس پر اللہ کی لعنت۔ (ظاہر ہے کہ صحابہؓ کو برا بھلا کہنے والا ہی بدتر ہو گا)

---

[1] اس اصول کے علاوہ جو مولانا محترم مدظلہم نے اس حدیث سے مستنبط کیا ہے اس حدیثِ پاک کے مفہوم و منطوق سے کئی اور اہم مسائل بھی مستنبط ہوتے ہیں، مختصراً ان کی طرف اشارہ کر دینا مفید ہو گا۔

۱۔ حدیث میں "سبّ" سے بازاری گالی دینا مراد نہیں بلکہ ہر ایسا تنقیدی کلمہ مراد ہے جو ان حضرات کے استخفاف میں کہا جاتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ پر تنقید اور نکتہ چینی جائز نہیں بلکہ وہ قائل کے ملعون و مطرود ہونے کی دلیل ہے۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ اطہر کو اس سے ایذا ہوتی ہے (کما صرح بہ بقولہ فمن اذاھم فقد آذانی) اور آپ کے قلبِ اطہر کو ایذا دینے میں حبطِ اعمال کا خطرہ ہے (لقولہ تعالیٰ: ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون)

۳۔ صحابہ کرامؓ کی مدافعت کرنا اور ناقدین کو جواب دینا ملّتِ اسلامیہ کا فرض ہے (فان الامر للوجوب)

۴۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ ناقدین صحابہ کو ایک ایک بات کا تفصیلی جواب دیا جائے۔ کیونکہ اس سے جواب اور جواب الجواب کا ایک غیر مختتم سلسلہ چل نکلے گا۔ بلکہ یہ تلقین فرمائی کہ انہیں بس اصولی اور فیصلہ کن جواب دیا جائے اور وہ ہے لعنۃ اللہ علی شرکم

۵۔ شرکم۔ اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ جو مشاکلت کے طور پر استعمال ہوا ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقدین صحابہؓ کے لیے ایسا کنایہ استعمال فرمایا ہے کہ اگر وہ اس پر غور کریں تو ہمیشہ کے لیے تنقیدِ صحابہؓ کی رگ کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ اتنی بات تو کھلی ہے کہ صحابہؓ کیسے ہی ہوں مگر تم سے تو اچھے ہی ہوں گے تم ہوا پر اڑو، آسمان پر پہنچ جاؤ، سو بار مر کر جی لو، مگر تم سے صحابی تو نہیں بنا جا سکے گا۔ تم آخر وہ آنکھ کہاں سے لاؤ گے جس نے جمالِ جہاں آرائے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دیدار کیا ہے؟ وہ کان کہاں سے لاؤ گے جو کلماتِ نبوت سے مشرف ہوئے؟ وہ دل کہاں سے لاؤ گے جو انفاسِ مسیحائی محمدی سے زندہ ہوئے۔ وہ دماغ کہاں سے لاؤ گے جو انوار قدس سے مسور ہوئے؟ تم وہ ہاتھ کہاں سے لاؤ گے جو ایک بار بشرۂ محمدی سے مس ہوئے اور ساری عمر ان کی لو تنگھیر ہی نہیں گئی؟ تم وہ پاؤں کہاں سے لاؤ گے جو معیت محمدی

یہاں تمام احادیث کا استیعاب مقصود نہیں۔ بلکہ کہنا یہ ہے کہ ان قرآنی و نبوی شہادتوں کے بعد بھی اگر کوئی شخص حضرات صحابہ میں عیب نکالنے کی کوشش کرے تو اس بات سے قطع نظر کہ اس کا یہ طرز عمل قرآن کریم کے نصوص

بقیہ حاشیہ در میں آبلہ پا ہوتے؟ تم وہ زمان کہاں سے لاؤ گے جب آسمان زمین پر اتر آیا تھا۔ تم وہ مکان کہاں سے لاؤ گے جہاں کونین کی جلوہ آرائی تھی۔ تم وہ محفل کہاں سے لاؤ گے جہاں سعادت دارین کی شراب طہور کے جام بھر بھر دیے جاتے اور تشنہ کامان محبت "ہل من مزید" کا نعرہ مستانہ لگا رہے تھے؟ تم وہ منظر کہاں سے لاؤ گے جو کانی اری اللہ عیاناً کا کیف پیدا کرتا تھا۔ تم وہ مجلس کہاں سے لاؤ گے جہاں کانما علی رؤسنا الطیر کا سماں بندھ جاتا تھا۔ تم وہ صدر نشین تخت رسالت کہاں سے لاؤ گے جس کی طرف ھذا الابیض المتکی سے اشارے کیے جاتے تھے۔ تم وہ شمیم عنبر کہاں سے لاؤ گے جس کے ایک جھونکے سے مدینہ کے گلی کوچے معطر ہو جاتے تھے۔ تم وہ محبت کہاں سے لاؤ گے جو دیدار محبوب میں خواب نیم شبی کو حرام کر دیتی تھی تم وہ ایمان کہاں سے لاؤ گے جو ساری دنیا کو تج کر حاصل کیا جاتا تھا۔ تم وہ اعمال کہاں سے لاؤ گے جو پیمانہ نبوت سے ناپ ناپ کر ادا کیے جاتے تھے۔ تم وہ اخلاق کہاں سے لاؤ گے جو آئینہ محمدی سامنے رکھ کر سنوارے جاتے تھے۔ تم وہ رنگ کہاں سے لاؤ گے جو "صبغۃ اللہ" کی بھٹی میں دیا جاتا تھا۔ تم وہ ادائیں کہاں سے لاؤ گے جو دیکھنے والوں کو نیم بسمل بنا دیتی تھیں۔ تم وہ نماز کہاں سے لاؤ گے جس کے امام نبیوں کے امام تھے۔ تم قدوسیوں کی وہ جماعت کیسے بن سکو گے جس کے سردار رسولوں کے سردار تھے؟

تم میرے صحابہؓ کو لاکھ برا کہو۔ مگر اپنے ضمیر کا دامن جھنجھوڑ کر بتاؤ! اگر ان تمام سعادتوں کے بعد بھی میرے صحابہ برے ہیں تو کیا تم ان سے بدتر نہیں ہو؟ اگر وہ تنقید و ملامت کے مستحق ہیں تو کیا تم لعنت و غضب کے مستحق نہیں ہو؟ اگر تم میرے صحابہؓ کو بدنام کرتے ہو تو کیا میرا خدا تمہیں سر محشر سب کے سامنے رسوا نہیں کرے گا؟ اگر تم میں انصاف و حیا کی کوئی رمق باقی ہے تو اپنے گریبان میں جھانکو اور میرے صحابہ کے بارے میں زبان بند کرو۔ اور اگر تمہارا ضمیر بالکل مسخ ہو چکا ہے تو پھر دنیا یہ فیصلہ کرے گی کہ میرے صحابہ پر تنقید کا حق ان کپوتوں کو حاصل ہونا چاہیئے۔

علامہ طیبیؒ نے اسی حدیث کی شرح میں حضرت حسان کا ایک عجیب شعر نقل کیا ہے

اتھجوہ ولست لہٗ بکفوٍ

فشرکما لخیرکما الفداء

ترجمہ: کیا تو آپؐ کی ہجو کرتا ہے جب کہ تو آپؐ کے برابر کا نہیں ہے؟ پس تم دونوں میں کا بدتر تمہارے بہتر پر قربان!

۱۱۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تنقید صحابہ کا منشا ناقد کا نفسیاتی شرار خبث و تکبر ہے۔ آپ جب کسی شخص کے طرز عمل پر تنقید کرتے ہیں تو اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ کسی صفت میں وہ آپ کے نزدیک خود آپ کی اپنی ذات سے فروتر

قطعیہ اور ارشادات نبوت کے انکار کے مترادف ہے ۔ یہ لازم آئیگا کہ حق تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو فرائض بحیثیت منصب نبوت کے عائد کیے تھے اور جن میں اعلیٰ ترین منصب تزکیہ نفوس کا تھا۔ گویا حضرت رسالت پناہ اپنے فرض منصبی کی بجا آوری سے قاصر رہے اور تزکیہ نہ کر سکے ۔ اور یہ قرآن کریم کی صریح تکذیب ہے ۔ حق تعالیٰ قرآن کے تزکیہ کی تعریف فرمائے اور ہم انہیں مجروح کرنے میں مصروف رہیں اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے تزکیہ سے قاصر رہے تو گویا کہ حق تعالیٰ نے آپ کا انتخاب صحیح نہیں فرمایا تھا ۔ انا للہ ۔ بات کہاں سے کہاں تک پہنچ جاتی ہے ۔ اور جب اللہ تعالیٰ کے انتخاب میں قصور نکلا تو اللہ تعالیٰ کا علم غلط ہوا نعوذ باللہ من الغوایۃ والسفاھۃ ۔ چنانچہ اہل ہوا کی بڑی جماعت کا دعوای یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو (؟) ہوتا ہے ۔ یعنی اسے بہت سی چیزیں جو پہلے معلوم نہیں تھیں بعد میں معلوم ہوتی ہیں اور اسکا پہلا علم غلط ہو جاتا ہے جن لوگوں کا اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ تصور ہو رسول اور نبی اور ان کے بعد صحابہ کرام کا ان کے نزدیک کیا درجہ رہے گا ؟ ۔

بقیہ حاشیہ اور گھٹیا ہے ۔ اب جب کوئی شخص کسی صحابی کے بارے میں مثلاً یہ کہے گا کہ اس نے عدل و انصاف کے تقاضوں کو کما حقہ ادا نہیں کیا تھا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اگر اس صحابی کی جگہ یہ صاحب ہوتے تو عدل و انصاف کے تقاضوں کو زیادہ بہتر ادا کرتے گویا ان میں صحابی سے بڑھ کر صفتِ عدل موجود ہے ۔ یہ ہے تکبر کا وہ "شر" اور نفس کا وہ خبث جو تنقید صحابہؓ پر ابھارتا ہے ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی شر کی اصلاح اس حدیث میں فرمانا چاہتے ہیں ۔

۷ ۔ حدیث میں بحث و مجادلہ کا ادب بھی بتایا گیا ہے یعنی خصم کو براہ راست خطاب کرتے ہوئے یہ نہ کہا جائے کہ تم پر لعنت ! بلکہ یوں کہا جائے کہ تم دونوں میں جو برا ہو اس پر لعنت ! ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسی منصفانہ بات ہے جس پر سب کو متفق ہونا چاہیئے اس میں کسی کے برہم ہونے کی گنجائش نہیں اب رہا یہ قصہ کہ تم دونوں میں برا کا مصداق کون ہے ؟ خود ناقد ! یا جس پر وہ تنقید کرتا ہے ! اس کا فیصلہ کوئی مشکل نہیں ۔ دونوں کے مجموعی حالات سامنے رکھ کر ہر معمولی عقل کا آدمی یہ نتیجہ آسانی سے نکال سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابی بُرا ہو سکتا ہے یا اس کا خوش فہم ناقد ؟

۸ ۔ حدیث میں فیکم کا خطاب امت سے ہے گویا ناقدین صحابہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت میں سمجھتے بلکہ انہیں امت کے مقابل فریق کی حیثیت سے کھڑا کرتے ہیں اور یہ ناقدین کے لیے شدید وعید ہے جیسا کہ بعض دوسرے معاصی پر "فلیس منا" کی وعید سنائی گئی ہے

۹ ۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو جس طرح ناموس شریعت کا اہتمام تھا اسی طرح

(بقیہ اگلے صفحے پر)

الغرض صحابہ کرامؓ پر تنقید کرنے، ان کی غلطیوں کو اچھالنے اور انہیں موردِ الزام بنانے کا فتنہ صرف ان ہی تک محدود نہیں رہتا بلکہ خدا اور رسول، کتاب و سنت اور پورا دین اس کی لپیٹ میں آجاتا ہے اور دین کی ساری عمارت منہدم ہو جاتی ہے۔ بعید نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں جو اوپر نقل کیا گیا ہے اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہو۔

من اذاھم فقد اذانی. ومن اذانی فقد اذی اللہ ومن اذی اللہ فیوشک ان یاخذہ۔

جس نے ان کو ایذاء دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے ایذا دی اس نے اللہ کو ایذا دی۔ اور جس نے اللہ کو ایذا دی تو قریب ہے کہ اللہ اسے پکڑ لے۔

اور یہی وجہ ہے کہ تمام فرقِ باطلہ کے مقابلہ میں اہلِ حق کا امتیازی نشان صحابہ کرامؓ کی عظمت و محبت رہا ہے۔ تمام اہلِ حق نے اپنے عقائد میں اس بات کو اجماعی طور پر شامل کیا ہے کہ:-

و نکف عن ذکر الصحابۃ الا بخیر

اور ہم صحابہؓ کا ذکر بھلائی کے سوا کسی اور طرح کرنے سے زبان بند رکھیں گے۔

گویا اہلِ حق اور اہلِ باطل کے درمیان امتیاز کا معیار صحابہ کرامؓ کا ذکر بالخیر ہے جو شخص ان حضرات کی غلطیاں چھانٹتا ہو، ان کو موردِ الزام قرار دیتا ہو، اور ان پر سنگین اتہامات کی فردِ جرم عائد کرتا ہو وہ اہلِ حق میں شامل نہیں ہے۔

جو حضرات اپنے خیال میں بڑی نیک نیتی، اخلاص اور بقول ان کے وقت کے اہم ترین تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے تاریخ صحابہ کو ایک مرتب فلسفہ کی شکل میں پیش کرتے ہیں اور اسے "تحقیق" کا نام دیتے ہیں انہیں اس کا احساس ہو یا نہ ہو لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس تسوید اوراق کا انجام اس کے سوا کچھ نہیں کہ جدید نسل کو دین کے نام پر دین سے بیزار کر دیا جائے۔ اور ہر ایرے غیرے کو صحابہ کرامؓ پر تنقید کی کھلی چھٹی دے دی جائے جنہیں نہ علم، نہ عقل نہ فہم و فراست۔

اور یہ نرا اندیشہ ہی اندیشہ نہیں بلکہ کھلی آنکھوں اس کا مشاہدہ ہونے لگا ہے (العیاذ والحفیظ) کہا جاتا ہے کہ ہم نے کوئی نئی بات نہیں کہی بلکہ تاریخ کی کتابوں میں یہ سارا مواد موجود تھا۔ ہمارا قصور صرف یہ ہے کہ ہم نے اسے جمع کر دیا ہے

بقیہ حاشیہ: ناموس صحابہ کی حفاظت کا بھی اہتمام تھا کیونکہ ان ہی پر سارے دین کا مدار ہے۔

۱۰۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ناقدینِ صحابہؓ کی جماعت بھی ان منافقین سے ہے جن سے جہاد بالّلسان کا حکم امت کو دیا گیا ہے، یہ مضمون کئی احادیث میں صراحتہً بھی آرہا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب) مدیر

افسوس ہے کہ یہ عذر پیش کرتے ہوئے بہت سی اصولی اور بنیادی باتوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے ورنہ یہ بات بالکل واضح ہو جاتی کہ صرف اتنا عذر طعنِ صحابہؓ کی وعید سے بچنے کے لیے کافی نہیں۔ اور نہ ہی وہ اتنی سی بات کہہ کر بری الذمہ ہو سکتے ہیں۔

اولاً قرآنِ کریم کی نصوصِ قطعیہ احادیثِ ثابتہ اور اہلِ حق کا اجماع صحابہؓ کی عیب جوئی کی ممانعت پر متفق ہیں ان قطعیات کے مقابلہ میں ان تاریخی قصہ کہانیوں کا سرے سے کوئی وزن ہی نہیں۔ تاریخ کا موضوع ہی ایسا ہے کہ اس میں تمام رطب و یابس اور صحیح و سقیم چیزیں جمع کی جاتی ہیں صحت کا معیار جو "حدیث" میں قائم رکھا گیا ہے۔ تاریخ میں وہ معیار نہ قائم رہ سکتا تھا نہ اسے قائم رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اسی لیے حضرات محدثین نے ان کی صحت کی ذمہ داری اٹھانے سے انکار کر دیا ہے۔ حافظ عراقی رح فرماتے ہیں۔

ولیعلم الطالب ان السیرا یجمع ما قد صح وما قد انکرا

یعنی علم تاریخ و سیر صحیح اور منکر سب کو جمع کر لیتا ہے۔

اب جو شخص کسی خاص مدعا کو ثابت کرنے کے لیے تاریخی مواد کو کھنگال کر تاریخی روایات سے استدلال کرنا چاہتا ہے اسے عقل و شرع کے تمام تقاضوں کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف یہ دیکھ لینا کافی نہیں ہے کہ یہ روایت فلاں فلاں تاریخ میں لکھی ہے بلکہ جس طرح وہ یہ سوچتا ہے کہ یہ روایت اس کے مقصد و مدعا کے لیے مفید ہے یا نہیں اسی طرح اسے اس کو بھی غور کر لینا چاہیے کہ کیا یہ روایت شریعت یا عقل سے متصادم تو نہیں ہے اس اصول کی وضاحت کے لیے یہاں صرف ایک مثال کا پیش کرنا کافی ہوگا۔

آپ "خلیفہ راشد" اسے کہتے ہیں جو ٹھیک ٹھیک منہاج نبوت پر قائم ہو۔ اور اس کا کوئی عمل اور کوئی فیصلہ منہاج نبوت کے اعلیٰ معیار سے ہٹا ہوا نہ ہو۔ اب آپ ایک صحابی کو خلیفہ راشد تسلیم کرتے ہوتے اس پر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ انہوں نے بلا کسی استحقاق کے مال غنیمت کا پورا خمس (۵ لاکھ دینار) اپنے فلاں رشتہ دار کو بخش دیا تھا۔ سوال یہ ہے کہ "خلافت راشدہ" اور منہاج نبوت یہی ہے جس کی تصویر اس افسانے میں دکھائی گئی ہے؟ اور آج کے ماحول میں اس روایت کو من وعن تسلیم کرنے سے کیا یہ ذہن نہیں بنے گا کہ خلافت راشدہ کا معیار بھی آج کے جابر حکمرانوں سے کچھ زیادہ بلند نہیں ہوگا جو اپنے رشتہ داروں کو روٹ پرمٹ اور امپورٹ لائسنس مرحمت فرماتے ہیں۔ اسی پر ان دوسرے الزامات کو قیاس کر لیجئے جو بڑی شان تحقیق سے عائد کئے گئے ہیں۔

ثانیاً یہ تاریخی روایات آج یکایک نہیں ابھر آئی ہیں، بلکہ اکابر اہل حق کے سامنے یہ سارا موجود رہا ہے اور وہ اس کی مناسب تاویل و توجیہ کر چکے ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ ان تاریخی واقعات کو بڑی آسانی سے کسی اچھے محمل پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ اب ایک شخص اٹھتا ہے اور "بے لاگ تحقیق" کے شوق میں ان کے ایسے محمل تلاش کرتا ہے جس سے

صحابہ کرامؓ کی صریح تنقیص اور ان کی سیرت و کردار کی گراوٹ مفہوم ہوتی ہے۔ تو کیا اس کے بارے میں یہ حسن ظن رکھا جائے کہ وہ صحابہ کرامؓ سے "حسن ظن" رکھتا ہے۔

اور عجیب بات یہ کہ جب اس کے سامنے اکابر اہل حق کے طرز تحقیق کا حوالہ دیا جاتا ہے تو ان حضرات کو "وکیل صفائی" کہہ کر ان کی تحقیقات کو قابلِ التفات نہیں سمجھتا۔ غالباً یہ دنیا کی نرالی عدالت ہے جس میں وکیل استغاثہ کے بیان پر یکطرفہ فیصلہ دیا جائے اور وکیل صفائی کے بیانات کو اس جرم میں نظر انداز کر دیا جائے کہ وہ کسی مظلوم کی طرف سے صفائی کا وکیل بن کر کیوں کھڑا ہو گیا ہے۔ اوپر قرآن و سنت کے جن نصوص کا حوالہ دیا گیا اور اہل حق کے جس اجماعی فیصلہ کا ذکر کیا گیا ہے اس سے معلوم ہو گا کہ صرف حافظ ابن تیمیہ اور شاہ عبدالعزیز ہی نہیں بلکہ خدا و رسول اور پوری امت کے اہلِ حق صحابہ کرام کے "وکیل صفائی" ہیں۔ اب یہ فیصلہ کرنا ہر شخص کی اپنی صوابدید پر موقوف ہے کہ وہ وکیل صفائی کی صف میں شامل ہونا پسند کرتا ہے یا وکیل استغاثہ کی صف میں۔

ثالثاً: ان تاریخی روایات کے متفرق جزوی واقعات کو چن چن کر جمع کرنا انہیں ایک مربوط فلسفہ بنا ڈالنا جزئیات سے کلیات اخذ کر لینا اور ان پر ایسے جلی اور چبھتے ہوئے عنوانات جمانا جنہیں آج کی چودھویں صدی کا فاسق سے فاسق بھی اپنی طرف منسوب کرنا پسند نہیں کرے گا۔ یہ نہ تو دین و ملت کی کوئی خدمت ہے، نہ اسے اسلامی تاریخ کا صحیح مطالعہ کہا جا سکتا ہے۔ البتہ اسے "تاریخ سازی" کہنا بجا ہو گا بقول سعدیؒ ع ولیکن قلم در کفِ دشمن است

میں پوچھتا ہوں کیا کوئی ادنیٰ مسلمان اپنے بارے میں یہ سننا پسند کرے گا کہ اس نے خدائی دستور کو بدل ڈالا؟ اس نے بیت المال کو گھر کی لونڈی بنا لیا۔ اس نے مسلمانوں سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی آزادی سلب کر لی۔ اس نے عدل و انصاف کی مٹی پلید کر ڈالی۔ اس نے دیدہ و دانستہ نصوص قطعیہ سے سرتابی کی۔ اس نے خدائی قانون کی بالاتری کا خاتمہ کر ڈالا۔ اس نے اقربا پروری و خویش نوازی کے ذریعے لوگوں کی حق تلفی کی؟

کیا کوئی معمولی قسم کا متقی اور پرہیزگار آدمی ان جگر پاش اتہامات کو ٹھنڈے دل سے برداشت کر لے گا؟ اگر نہیں۔ اور یقیناً نہیں۔ تو کیا صحابہ کرام ہم نالائقوں سے بھی گئے گزرے ہو گئے؟ کہ ایک دو نہیں بلکہ مثالب و قبائح اور اخلاقی گراوٹ کی ایک طویل فہرست ان کے نام جڑ دی جائے پھر بے لاگ تحقیق کے نام سے اچھالا جاتے، اور روکنے اور ٹوکنے کے باوجود اس پر اصرار کیا جائے۔

کیا صحابہ کرامؓ کی عزت و حرمت یہی ہے کیا اسی کا نام صحابہؓ کا "ذکر بالخیر" ہے کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معزز صحابہ اسی احترام کے مستحق ہیں۔ کیا ایمانی غیرت کا یہی تقاضا ہے کیا مسلمانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھول جانا چاہیئے؟

جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہؓ کو برا بھلا کہتے ہیں۔ (باقی صفحہ ۸۴ پر)

تدبر قرآن

مولانا امین احسن اصلاحی

تفسیر سورۂ اعراف

(۲)

۴: آگے کا مضمون، آیات ۲۶-۴۳

آگے کی آیات میں پہلے ان باتوں کی یاد دہانی کی گئی ہے جن سے، شیطان کی دشمنی کے پیشِ نظر، اولادِ آدمؑ کو شروع ہی میں آگاہ کر دیا گیا تھا اور جن کا اہتمام پیش آنے والے امتحان میں کامیاب ہونے کے لیے ہر ابن آدمؑ کا فرض تھا تاکہ وہ اس افتاد سے محفوظ رہیں جو ان کے دشمن ازلی کے ہاتھوں ان کے باپ کو پیش آئی۔

اس کے بعد قریش کی طرف، جو اس سورہ میں مخاطب ہیں، اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے ان ہدایات کو نظر انداز کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شیطان نے ان کو بھی ورغلا کر اسی طرح ان کے کپڑے اتروائے ہیں جس طرح ان کے باپ ماں — آدم و حوا — کے اتروائے تھے لیکن یہ اپنی حماقت سے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بے حیائی انہوں نے شیطان کی پیروی میں نہیں بلکہ خدا کے حکم کی تعمیل میں اختیار کی ہے اور دلیل اس کی ان کے پاس صرف یہ ہے کہ یہ طریقہ انہوں نے اپنے بزرگوں سے وراثت میں پایا ہے۔

اس کے بعد اس روح اور اس اصل الاصول کا حوالہ دیا جو تمام خدائی احکام میں لازماً ملحوظ ہے اور جو خدائی احکام اور شیطانی بدعات میں امتیاز کے لیے عقل و فطری کسوٹی ہے۔ پھر اس کسوٹی پہ پرکھ کر بتایا کہ آج جن ابلیسی بدعات کو قریش خدا کا دین بتا رہے ہیں ان میں سے کسی چیز کو بھی خدا سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ یہ باتیں انہوں نے شیطان کی رہنمائی

میں خود ایجاد کی ہیں اور منسوب ان کو خدا کی طرف سے کر رہے ہیں۔ ساتھ ہی ان کو دھمکی دی کہ انہوں نے یہ روش نہ بدلی تو یہ بھی اسی انجام سے دوچار ہوں گے جن سے ان کی ہم مشرب قومیں دوچار ہو چکی ہیں۔

پھر اللہ تعالےٰ نے اپنے اس وعدے کا حوالہ دیا جو آدمؑ کو اس رزم گاہ امتحان میں اتارتے وقت ان کی ذریت میں انبیا و رُسل کا سلسلۂ رشد و ہدایت جاری کرنے کے لیے فرمایا تھا اور یہ آگاہی دی تھی کہ جو ان انبیاء کی پیروی کریں گے وہ شیطان کے فتنوں سے امان میں رہیں گے اور جو ان کو جھٹلائیں گے وہ اپنی مہلت حیات پوری کرکے دوزخ میں پڑیں گے۔

اس کے بعد مکذبین انبیا اور متبعین انبیا دونوں گروہوں کے احوال آخرت کی نہایت مؤثر تصویر کھینچی ہے۔ پہلے گروہ کے متعلق بتایا ہے کہ جب دوزخ میں سب اگلے پچھلے اکٹھا ہوں گے تو آپس میں جوتیوں میں دال بٹے گی اور ایک دوسرے پر لعنتیں بھیجیں گے۔ اخلاف جن بڑوں کی پیروی پر آج نازاں ہیں، کل ان کو گالیاں دیں گے کہ انہوں نے ہماری راہ ماری، یہ نہ گمراہ کرتے تو ہم ہدایت پر ہوتے۔ اکابر اخلاف کو گالیاں دیں گے کہ یہ خود شامت زدہ تھے کہ انہوں نے ہدایت کی راہ اختیار نہ کی، اس میں ہمارا کیا قصور۔ دوسرے گروہ کی تصویر یوں کھینچی ہے کہ جنت میں ایک دوسرے کے آمنے سامنے خوش خوش بیٹھے ہوں گے، کسی نفرت و ملامت کا کہیں نام و نشان بھی نہ ہوگا، مبارک سلامت کے تحائف کے تبادلے ہو رہے ہوں گے اور ہر گوشے میں خدا کے ترانۂ حمد اور انبیا کے احسانات کے اعتراف سے محفل گونج رہی ہوگی۔ اس روشنی میں آیات کی تلاوت فرمایئے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ
وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ
لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ
كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا
لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ
حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا
يُؤْمِنُوْنَ ۝ وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ

اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَ
تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۲۸ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ وَ
اَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ
لَهُ الدِّيْنَ ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۲۹ فَرِيْقًا هَدٰى وَ
فَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ
مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۳۰ يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ خُذُوْا
زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ
لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۳۱ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْۤ اَخْرَجَ
لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ
يَّعْلَمُوْنَ ۳۲ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا
بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ
يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۳۳
وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا
يَسْتَقْدِمُوْنَ ۳۴ يٰبَنِيْۤ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ
عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُوْنَ ۳۵ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَاۤ اُولٰٓئِكَ
اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۳۶ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى
عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ
مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْۤا اَيْنَ
مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا
عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۳۷ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْۤ اُمَمٍ
قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ
اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ
اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا

مِّنَ النَّارِ ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۸ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ
لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ
بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝۳۹ اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا
لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ
الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ۝۴۰ لَهُمْ
مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي
الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۱ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا
اِلَّا وُسْعَهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۴۲ وَنَزَعْنَا
مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ
وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ
لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ وَنُوْدُوْٓا
اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۴۳

اے بنی آدم! ہم نے تم پر لباس اتارا جو تمہارے لیے ستر پوش بھی ہے اور زینت بھی - مزید برآں تقویٰ کا لباس ہے جو اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ یہ اللہ کی آیات میں سے ہے تاکہ وہ یاد دہانی حاصل کریں - اے بنی آدم! شیطان تمہیں فتنہ میں نہ ڈالنے پائے، جس طرح اس نے تمہارے باپ ماں کو جنت سے نکلوا چھوڑا ان کے لباس اتروا کر کہ ان کو ان کے سامنے بے پردہ کر دے، وہ اور اس کا جتھہ تم کو وہاں سے تاڑتا ہے جہاں سے تم ان کو نہیں تاڑتے۔ ہم نے شیاطین کو ان لوگوں کا رفیق بنا دیا ہے جو ایمان سے محروم ہیں - ۲۶-۲۷

اور جب یہ لوگ کسی بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہیں، کہتے ہیں، ہم نے تو اسی طریق پر اپنے باپ دادا کو پایا ہے اور خدا نے ہمیں اسی کا حکم دیا ہے - کہہ دو، اللہ کبھی بے حیائی کا حکم نہیں دیتا - کیا تم لوگ اللہ پر وہ تہمت جوڑتے ہو جس کے باب میں تمہیں کوئی علم نہیں - کہہ دو، کہ اللہ نے تو ہر معاملے میں قسط کا حکم دیا ہے - اور یہ کہ ہر مسجد کے پاس اپنا رخ اسی کی طرف کرو اور

اسی کو پکارو اسی کے لئے اطاعت کو خاص کرتے ہوئے۔ جس طرح اس نے
تمہارا آغاز کیا اسی طرح تم لوٹو گے۔ ایک گروہ کو اس نے ہدایت بخشی اور
ایک گروہ پہ گمراہی مسلط ہو گئی۔ انہوں نے اللہ کے ماسوا شیاطین
کو اپنا رفیق بنایا اور گمان یہ رکھتے ہیں کہ وہ ہدایت پہ ہیں۔

اے بنی آدم! ہر مسجد کی حاضری کے وقت اپنی زینت اختیار کرو اور کھاؤ پیو البتہ
اسراف نہ کرو، خدا اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ پوچھو، کس
نے حرام ٹھہرایا ہے اللہ کی اس زینت کو جو اس نے اپنے بندوں کے لیے
پیدا کی اور رزق کی پاکیزہ چیزوں کو؟ کہہ دو وہ دنیا کی زندگی میں بھی
ایمان والوں کے لیے ہیں اور آخرت میں تو وہ خاص انہی کا حصہ ہوں
گی۔ اسی طرح ہم اپنی آیات کی تفصیل کر رہے ہیں ان لوگوں کے لیے جو جاننا
چاہیں۔ کہہ دو، خدا نے حرام تو بس بے حیائیوں کو ٹھہرایا ہے، خواہ کھلی ہوں
خواہ ڈھکی۔ اور حق تلفی، ناحق زیادتی اور اس بات کو حرام ٹھہرایا ہے کہ تم
اللہ کا کسی چیز کو ساجھی ٹھہراؤ جس کی اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور یہ کہ
تم اللہ پہ کسی ایسی بات کا بہتان لگاؤ جس کا تم علم نہیں رکھتے۔ اور ہر امت
کے لیے ایک مقررہ مدت ہے تو جب ان کی مدت پوری ہو جائے گی تو نہ ایک
گھڑی پیچھے ہٹ سکیں گے، نہ آگے بڑھ سکیں گے۔ ۲۸ - ۳۴

اے بنی آدم! تمہارے پاس تمہی میں سے رسول آئے تم کو میری آیات
سناتے تو جو ڈرا اور جس نے اصلاح کر لی ان کے لیے نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ
وہ غمگین ہوں گے اور جو میری آیات کو جھٹلائیں گے اور تکبر کر کے ان سے اعراض
کریں گے وہی دوزخ والے ہیں، وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔ تو ان سے بڑھ
کر ظالم کون ہو گا جو اللہ پہ جھوٹ بہتان باندھیں یا اس کی آیات کو جھٹلائیں۔
ان لوگوں کو اللہ کے نوشتہ کا حصہ پہنچے گا۔ یہاں تک کہ جب ان کے پاس
ہمارے فرشتے ان کو قبض کرنے آئیں گے تو ان سے پوچھیں گے کہ اللہ کے
سوا جن کو تم پکارتے تھے کہاں ہیں؟ وہ جواب دیں گے وہ تو سب ہم سے
کھوئے گئے۔ اور یہ خود اپنے خلاف گواہی دیں گے کہ لاریب وہ کفر میں

رہے۔ حکم ہو گا، جاؤ، پڑو دوزخ میں اُن امتوں کے ساتھ جو تم سے پہلے جنوں اور انسانوں میں سے گزریں۔ جب جب کوئی امت داخل ہو گی اپنی ساتھی امت پر لعنت کرے گی یہاں تک کہ جب سب اس میں اکٹھے ہو لیں گے، ان کے پچھلے اپنے اگلوں کے بارے میں کہیں گے، اے ہمارے رب! یہی لوگ ہیں جنہوں نے ہم کو گمراہ کیا تو ان کو دُہرا عذاب نار دیجیو۔ ارشاد ہو گا تم سب کے لیے دُہرا ہے، پر تم جانتے نہیں۔ ان کے اگلے اپنے پچھلوں سے کہیں گے، تم کو بھی تو ہم پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوئی تو تم بھی اپنے کیے کی پاداش میں عذاب چکھو۔ ۳۵-۳۹

بے شک جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور تکبر کر کے ان سے منہ موڑا ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور وہ جنت میں نہیں داخل ہوں گے جب تک اونٹ سوئی کے ناکے میں نہ سما جائے۔ اور ہم مجرموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ ان کے لیے دوزخ ہی کا بچھونا اور اوپر سے اسی کا اوڑھنا ہو گا اور ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کیے، ہم کسی جان پر اس کی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے، وہ جنت والے ہیں، اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور ان کے سینے کی ہر خلش ہم کھینچ لیں گے۔ ان کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی۔ اور وہ کہیں گے شکر کا سزاوار ہے وہ اللہ جس نے اس چیز کی ہم کو ہدایت بخشی، اگر اللہ نے ہمیں ہدایت نہ بخشی ہوتی تو ہم تو ہدایت پانے والے نہ بنتے۔ ہمارے رب کے رسول بالکل سچی بات لے کر آئے۔ اور ان کو پیغام دیا جائے گا کہ یہی وہ جنت ہے جس کے تم اپنے اعمال کے صلے میں وارث ٹھہرائے گئے ہو۔ ۴۰-۴۳

۵- الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا ؕ وَلِبَاسُ التَّقْوٰی ذٰلِکَ خَیْرٌ ؕ ذٰلِکَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ لَعَلَّھُمْ یَذَّکَّرُوْنَ ○ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا

يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَا اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ
عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ط اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ
هُوَ وَ قَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ط اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ
اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ - ۲۶ - ۲۷

لباس کے مقاصد سترپوشی اور زینت دونوں ہیں

"یابنی آدم قد انزلنا علیکم لباسا یواری سوآتکم وریشا"۔ ریش کا لفظ چڑیوں کے پروں کے لیے بھی آتا ہے اور اس سے زیب وزینت کا لباس بھی مراد ہوتا ہے۔ لباس کا اولین مقصد تو سترپوشی ہی ہے لیکن زیب وزینت بھی اس کے مقاصد میں داخل ہے۔ قدرت نے جو چیز بھی بنائی ہے اس میں مختلف پہلو ملحوظ رکھے ہیں اور یہ سارے ہی پہلو ہماری فطرت کے تقاضوں کے مطابق ہیں۔ سترپوشی کے لئے تو جھگوا یا لنگوٹی بھی کافی تھی لیکن قدرت نے اتمام نعمت کے طور پر ہمارے لیے ایسے لباس کا انتظام فرمایا جو سترپوش بھی ہو، سردی اور گرمی سے بھی ہماری حفاظت کرے اور اس سے ہماری شخصیت، ہمارے وقار، ہمارے حسن اور ہماری شان میں بھی اضافہ ہو۔ ان میں سے کوئی مقصد بھی بجائے خود معیوب نہیں ہے۔ البتہ افراط یا تفریط سے جس طرح ہر چیز میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح اس میں بھی خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ قرآن نے زینت کو مقاصد لباس میں داخل کر کے اس جوگیانہ تصور کی نفی کر دی جو لباس کو ایک آرائش اور عریانی یا نیم عریانی کو مذہبی تقدس کا درجہ دیتا ہے۔

باطنی لباس تقویٰ ہے

لباس التقوٰی ذلک خیر"۔ یعنی ظاہری لباس کے ساتھ ساتھ ایک باطنی لباس بھی انسان کو عطا ہوا ہے اور وہ تقویٰ کا لباس ہے جو اس ظاہری لباس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اس لیے کہ درحقیقت یہ تقویٰ کا لباس ہی ہے، جو ظاہری لباس کی بھی حقیقی افادیت کو نمایاں کرتا ہے۔ بلکہ سچ پوچھئے تو آدمی اس ظاہری لباس کو اختیار کرتا ہی ہے اپنے اسی باطنی لباس کی تحریک سے۔ اگر یہ نہ ہو تو آدمی کپڑے پہن کر بھی ننگا ہی رہتا ہے اور اس کے لباس سے اس کے وقار میں اضافہ ہونے کے بجائے یا تو اس کی رعونت میں اضافہ ہوتا ہے یا اس کی بدقوارگی میں۔ یہ لباس تقویٰ، حیا، خشیت الٰہی، اور احساس عبدیت سے بنتا ہے اور جس کے قامت پہ اللہ اپنی عنایت کی یہ ردا ڈال دیتا ہے دیکھنے کے قابل وقار وجمال اسی کا ہوتا ہے۔ یہ انسانوں کے لباس میں مقدس فرشتہ ہوتا ہے۔ جو بھی اس کو دیکھتا ہے

بے تحاشا ماھذا بشرا ان ھذا الا ملک کریم، پکار اٹھتا ہے۔

ان باتوں کی یاد دہانی جن کی ہدایت ابتدا ہی میں اولادِ آدم کو کی گئی

ذٰلک من آیات اللہ لعلّھم یذّکّرون۔ یہ اوپر والی بات جس کی یاد دہانی کی گئی ہے ان باتوں میں سے ہے جن کی ہدایت اولادِ آدم کو اسی وقت کر دی گئی تھی جب آدمؑ کو اس دنیا میں بھیجا گیا تھا اور مقصود اس کے حوالے سے یہ ہے کہ قریش متنبہ ہوں کہ شیطان نے جس فتنے میں آدمؑ کو مبتلا کیا اسی طرح کے فتنے میں اس نے انہیں بھی مبتلا کر دیا ہے۔ یہ امر ملحوظ رہے کہ آدمؑ کو اس دنیا میں بسانے وقت آدمؑ اور اولادِ آدمؑ کو جو ہدایات اللہ تعالےٰ کی طرف سے دی گئی تھیں ان میں سے بعض کا حوالہ قرآن نے دیا ہے۔ مثلاً بقرہ میں ہے۔ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۳۸۔ (ہم نے کہا یہاں سے سب اترو تو اگر آئے تمہارے پاس میری کوئی ہدایت تو جو میری ہدایت کی پیروی کریں گے، نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی غم) بعینہٖ یہی مضمون آگے اسی سورہ میں آیت ۳۵ میں آ رہا ہے۔ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ (اے بنی آدم اگر تمہارے پاس تمہیں میں سے رسول آئیں تمہیں میری آیات سناتے ہوئے تو جس نے تقویٰ اختیار کیا اور اپنی اصلاح کی ان پر نہ کوئی خوف ہوگا نہ ان کو غم لاحق ہوگا۔) ہمارے نزدیک یہاں بھی انہی باتوں کا حوالہ ہے جن کی ہدایت ابتدا ہی میں اولادِ آدم کو کی گئی تھی تاکہ وہ اپنی آئندہ زندگی میں اپنے آپ کو شیطان کے اس قسم کے فتنوں سے محفوظ رکھ سکیں جس قسم کے فتنے میں اس نے آدم و حوّا کو ڈال دیا۔ یہ انہی باتوں کی یاد دہانی قریش کو کی جا رہی ہے کہ تاکہ انہیں خبردار کیا جائے کہ وہ بھی شیطان کے نرغے میں آئے ہوئے ہیں اور اس نے وہی داؤ ان پر بھی چلایا ہے جو آدمؑ پر چلایا تھا۔

'یابنی آدم' کے خطاب کی بلاغت

'یابنی آدم' کے خطاب کی بلاغت پر بھی یہاں نظر رہے۔ باپ کی زندگی کے حوادث و تجربات اولاد کے لیے سب سے زیادہ سبق آموز ہوتے ہیں۔ اس کی سرگزشت کسی دوسرے کی کہانی نہیں بلکہ اپنی ہی حکایت ہوتی ہے۔ اس کے دوستوں سے دوستی، اس کے دشمنوں سے دشمنی با وفا اولاد خاندان کی ناقابلِ فراموش روایت کی طرح محفوظ رکھتی ہے۔

اخلاف اس کو یاد رکھتے ہیں اور اپنے بعد والوں کی طرف اس کو منتقل کرتے اور برابر منتقل کرتے رہنے کی وصیت کرتے ہیں۔ اہل عرب میں تو یہ روایت اتنی محبوب رہی ہے کہ اس میں حق و باطل کا امتیاز بھی باقی نہیں رہا تھا۔ باپ دادا کا دشمن بہرحال پشتہا پشت دشمن ہی سمجھا جاتا اگرچہ اس کی دشمنی برحق ہی کیوں نہ رہی ہو۔ پھر کس قدر حیف کی بات ہے کہ آدمؑ کی اولاد اپنے باپ کے ساتھ شیطان اور اس کی ذریت کی اس دشمنی کو بھول جائے جو سرا سر کینہ اور حسد پر مبنی تھی، جو مخفی نہیں بلکہ بالکل علانیہ تھی اور جو صرف مخصوص آدمؑ و حوا کے ساتھ ہی نہیں بلکہ قیامت تک کے لیے ان کی تمام ذریت کے ساتھ تھی۔ پھر معاملہ صرف بھول جانے ہی پر ختم نہیں ہو جاتا بلکہ اولاد کی ناخلفی، ناہنجاری اور نابکاری اس قدر بڑھی ہوئی ہے کہ کتنے ہیں جو اس دشمن، اور اس کے ساتھیوں ہی کو اپنا دوست، خیرخواہ اور معتمد بنائے بیٹھے ہیں اور اس کے کہنے پر ٹھیک ٹھیک اپنے لیے انہی تباہیوں کے گڑھے کھود رہے ہیں جن میں اس نے آدم کو گرانا چاہا تھا اور وہ اس میں گر چکے تھے، اگر اللہ کی رحمت نے ان کو بچایا نہ ہوتا۔ قرآن کی بلاغت بیان کے قربان جائیے کہ صرف 'یا بنی آدم' کے خطاب کے دو لفظوں کے اندر اس نے یہ سارے مضمرات محفوظ کر دیئے ہیں۔ آدمؑ کا جو غیور و باوفا بیٹا اس خطاب کے ساتھ قرآن کی ان یاد دہانیوں کو سنتا ہے اس کی رگ رگ شیطان کے خلاف جوش حمیت و غیرت سے پھڑک اٹھتی ہے۔ صرف بے غیرت اور ناخلف ہی ہیں جو اس کے بعد بھی ٹس سے مس نہیں ہوتے۔

یا بنی آدم لا یفتننکم الشیطان کما اخرج ابویکم من الجنۃ ینزع عنہما لباسہما لیریہما سواٰتہما۔ یہ بھی جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، انہی یاد دہانیوں میں سے ہے، جو ابتدا ہی میں اولاد آدمؑ کو کی گئی تھیں۔ اور اس کے اسلوب بیان سے شیطان کی اس ٹیکنیک کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے جو وہ بنی آدمؑ کے تمدن کو برباد کرنے اور بالآخر ان کو خدا کی نعمت سے محروم کر کے ہلاکت کے گڑھے میں گرانے کے لیے اختیار کرتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ وہ اپنی وسوسہ اندازیوں سے پہلے لوگوں کو اس لباس تقویٰ و خشیت سے محروم کرتا ہے جو اللہ نے بنی آدم کے لئے اس ظاہری لباس کے ساتھ ایک تشریف باطنی کی حیثیت سے اتارا ہے اور جس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ جب یہ باطنی جامہ اتر جاتا ہے تو وہ حیا ختم ہو جاتی ہے جو اس ظاہری لباس کی اصل محرک ہے۔ پھر یہ ظاہری لباس ایک بوجھ معلوم

ہونے لگتا ہے۔ بے حیائی صنفی اعضا میں، جن کا چھپانا تقاضائے فطرت ہے، عریاں ہونے کے لیے تڑپ پیدا کرتی ہے، پھر فیشن اس کو سہارا دیتا ہے اور وہ لباس کی تراش خراش میں نت نئی اختراعات سے ایسے ایسے اسلوب پیدا کرتا ہے کہ آدم کے بیٹے اور حوا کی بیٹیاں کپڑے پہن کر بھی، لباس کے بنیادی مقصد یعنی ستر پوشی کے اعتبار سے گویا ننگے ہی رہتے ہیں۔ پھر لباس میں صرف زینت اور آرائش کا پہلو باقی رہ جاتا ہے اور اس میں بھی اصل مدعا یہ ہوتا ہے کہ بے حیائی زیادہ سے زیادہ دلکش زاویہ سے نمایاں ہو۔ پھر آہستہ آہستہ عقل اس طرح ماؤف ہو جاتی ہے کہ عریانی تہذیب کا نام پاتی ہے اور ساتر لباس وحشت و دقیانوسیت کا۔ پھر پڑھے لکھے شیاطین اٹھتے ہیں اور تاریخ کی روشنی میں یہ فلسفہ پیدا کرتے ہیں کہ انسان کی اصل فطرت تو عریانی ہی ہے، لباس تو اس نے رسوم و رواج کی پابندیوں کے تحت اختیار کیا ہے۔ یہ مرحلہ ہے جب دیدوں کا پانی مر جاتا ہے اور پورا تمدن شہوانیت کے زہر سے مسموم ہو جاتا ہے پھر یہ بے حیا معاشرہ سزاوار ہوتا ہے کہ قدرت اس کے وجود سے زمین کو پاک کر کے ان کی جگہ دوسروں کو لائے اور دیکھے کہ وہ کیسا عمل کرتے ہیں۔

شیطان کے بھیس ان گنت اور ...

'انہ یراکم ھو وقبیلہ من حیث لا ترونھم'۔ یہ شیطان اور اس کے جتھے کی چالاکی، عیاری اور فتنہ سامانی کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے حملے کے راستے اور ان کے ظہور کے بھیس اتنے بے شمار ہیں کہ تم ان سارے راستوں پر نہ پہرا بٹھا سکتے، نہ ہر بھیس میں ان کو پہچان ہی سکتے۔ اس کے لشکر میں جن بھی ہیں اور انسان بھی۔ وہ وہاں سے گھات لگائیں گے جہاں سے تم دیکھ نہیں سکو گے اور تمہارے لیے وہ وہ بہروپ بھریں گے کہ تم پہچان نہ سکو گے۔ تم انہیں دوست، ناصح، خیر سگال، مرشد، لیڈر اور نہ جانے کیا کیا سمجھو گے اور وہ تمہارے دین ایمان کی جڑیں اکھاڑ کے رکھ دیں گے۔ تم گمان کرو گے کہ وہ تمہارے لیے تہذیب و ترقی کی راہیں کھول رہے ہیں لیکن وہ تم کو وہاں لے جا کر ماریں گے جہاں پانی بھی نہ پاؤ گے۔ ان کو تمہارے باطن کی ساری کمزور رگیں معلوم ہوں گی اور وہ اپنی اندرونی وسوسہ اندازیوں سے بھی تم کو شکار کرنے کی کوشش کریں گے اور اپنی ظاہری عشوہ گریوں سے بھی تم پر اپنے جال پھینکیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اس دشمن کو معمولی دشمن نہ سمجھنا، ہر وقت اس سے چوکنے رہنا۔

'انا جعلنا الشیاطین اولیاء للذین لا یومنون'۔ یہ شیطان اور اس کے جتھے کے حملوں سے محفوظ رہنے کی تدبیر بتائی ہے۔ وہ تدبیر یہ ہے کہ ایمان پر مضبوطی سے جمے رہنا۔ ایمان سے مراد اللہ اور اس کی اتاری ہوئی ہدایت پر ایمان ہے۔ یہ اسی بات کی طرف اشارہ ہے

جس کا ذکر بقرہ میں گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو اس دنیا میں اتارتے وقت شیطان کے حملوں سے محفوظ رہنے کی واحد تدبیر یہ بتائی تھی کہ جو میری بھیجی ہوئی ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لیے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔ ۳۰۔بقرہ (ہم نے کہا کہ یہاں سے سب اترو تو اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت تو جو میری ہدایت کی پیروی کریں گے نہ ان کے لیے کوئی خوف ہوگا، نہ کوئی غم) زیر بحث ٹکڑے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شیاطین کو مسلط ہونے کا موقع انہی پر دیتا ہے جو خدا اور اس کی ہدایت پر ایمان سے محروم ہوتے ہیں۔ ان کے دل خالی گھر کے مانند ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے شیطان ان میں ڈیرے جما لیتے ہیں۔ خانہ خالی را دیو می گیرد۔ اس کے برعکس جن کے دل خدا اور اس کی ہدایت پر ایمان سے آباد ہوتے ہیں ان کے اندر شیاطین کو گھسنے کا موقع نہیں ملتا۔ یہی بات دوسری جگہ اس طرح ارشاد ہوئی ہے، ومن یعش عن ذکر الرحمٰن نقیض لہ شیطانا فھولہ قرین ۳۶۔ زخرف (اور جو خدائے رحمٰن کی یاد سے بے پروا ہو جاتا ہے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں، پھر وہی اس کا ساتھی بن جاتا ہے۔)

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَا اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ
اَمَرَنَا بِهَا ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ؕ اَتَقُوْلُوْنَ
عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۟ وَاَقِيْمُوْا
وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ؕ
كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۝ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ
الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۔ ۲۸-۳۰

قریش پر شیطان کا جال

ان یاددہانیوں کو سنانے کے بعد جو اولاد آدمؑ کو کی گئی تھیں اب یہ قریش اور عربوں کا حال سنایا جا رہا ہے کہ کس طرح شیطان نے ان کو چکمہ دے کر اپنے جال میں پھنسا لیا ہے اور وہ اس کو اپنا دوست بنائے بیٹھے ہیں حالانکہ اس نے ان کے ساتھ بھی اسی طرح کا معاملہ کیا ہے جس طرح کا معاملہ ان کے باپ ماں۔ آدم و حوا کے ساتھ کیا تھا۔ آدمؑ و حوا کے کپڑے اس نے جنت میں اتروائے تھے، آدم کے ان بیٹوں اور حوا کی ان بیٹیوں کے کپڑے اس نے حرم الٰہی

میں اتروا لیے ہیں۔ اور ستم یہ ہے کہ یہ اس کو اپنے باپ دادا کی روایت اور خدا کی ہدایت سمجھتے ہیں حالانکہ یہ خدا کی ہدایت نہیں بلکہ شیطان کا فتنہ ہے اور اس طرح اس نے یہ چاہا ہے کہ جس طرح اس نے آدمؑ کو جنت سے نکلوایا اسی طرح ان کو ننگا کر کے اس حرم پاک سے بے دخل کرائے[۱]

'واذا فعلوا فاحشة قالوا وجدنا علیه آباءنا واللّٰه امرنا بها'

'فاحشة' اس کھلی ہوئی بے حیائی کو کہتے ہیں، جس کو اندھوں اور احمقوں کے سوا سب بے حیائی قرار دیں۔ ہمارے مفسرین نے یہاں اس سے وہ بدعت مراد لی ہے جو ۔ ۔ ۔ ننگے ہو کر طواف کرنے کی عرب جاہلیت میں رواج پا گئی تھی۔ مفسرین کا یہ خیال صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اس لیے کہ عرب جاہلیت کی بے حیائیوں میں سے یہی بے حیائی ہے جس کو وہ، جیسا کہ 'واللّٰه امرنا بها' کے الفاظ سے واضح ہے، حکم شریعت کا درجہ دیتے تھے۔ اگرچہ قریش خود تو اپنے آپ کو اس سے بالاتر رکھے ہوئے تھے لیکن دوسروں کے لیے، مرد ہوں یا عورتیں، انہوں نے اس عریانی کو عبادت قرار دے رکھا تھا۔ ان کا فتویٰ یہ تھا کہ قریش سے باہر کے عرب اپنے کپڑوں میں خانہ کعبہ کا طواف نہ کریں۔ یا تو وہ قریش میں سے کسی سے اس کام کے لیے کپڑے مستعار لیں ورنہ ننگے طواف کریں۔ گویا دوسروں کے کپڑے آلائش اور زینت دنیا میں داخل ہیں جن سے اس عبادت کی حرمت کو بٹہ لگ جاتا ہے۔ یہ اسی طرح کی عیاشی اور نفس پروری کی ایک مکروہ شکل تھی جس کی بے شمار مثالیں مندروں اور کلیساؤں کی تاریخ میں ملتی ہیں اور جو تمام تر ان کے پروہتوں اور پجاریوں کی شیطنت سے وجود میں آئیں لیکن ان کو مذہبی تقدس کا درجہ دے دیا گیا۔ مزارات کے مجاوروں نے بھی اس معاملے میں شیطان کا بہت ہاتھ بٹایا ہے۔ اس بدعت کا نتیجہ یہ ہوا کہ طواف جیسی مقدس عبادت فساق و فجار کی نظر بازیوں اور شرارتوں کی جولان گاہ بن گئی اور حرم کی نظر بازیوں کی لذیذ و رنگین داستانیں ان کی فاسقانہ شاعری میں بھی نمایاں ہوئیں جن کو پڑھیے تو آدمی حیران رہ جاتا ہے کہ شیطان نے حرم میں گھسنے کے لیے کیسا مقدس مذہبی لبادہ اختیار کیا، کس کامیابی کے ساتھ اس نے اللہ کی سب سے بڑی عبادت کو اپنی عبادت کی صورت میں تبدیل کر دیا لیکن کسی کے کانوں پر جوں بھی نہیں رینگی

---

[۱] یہ حقیقت یہاں پیش نظر رہے کہ بیت اللہ، جیسا کہ ہمارے استاذ مولانا فراہیؒ نے اپنی کتاب تفسیر سورہ کوثر میں، تفصیل سے ثابت کیا ہے، اس دنیا میں حوض کوثر کا مجاز ہے۔

کر کیا سے کیا ہو گیا۔ یہ ہے اس حقیقت کا ایک پہلو جو اوپر ' انہ یرٰکم ھو وقبیلہ من حیث لا ترونہم ' میں بیان ہوئی ہے۔

' قل ان اللہ لا یامر بالفحشاء ، اتقولون علی اللہ مالا تعلمون ' ۔ یہ تردید ہے اوپر والی بات کی کہ تم اس بے حیائی و بے شرمی کو خدا کا حکم قرار دیتے ہو، خدا کبھی بے حیائی و بے شرمی کا حکم نہیں دیتا۔ خدا کے احکام اس کی صفات اور انسان کی فطرت کے تقاضوں کے مطابق ہیں۔ جب اس کی صفات میں کوئی صفت بھی ایسی نہیں جو اس بے حیائی کو گوارا کر سکے تو وہ اس کا حکم کس طرح دے سکتا ہے ؟ پھر جب اس نے انسان کی فطرت ایسی بنائی ہے کہ بدوشعور سے لے کر مرتے دم تک وہ کبھی پسند نہیں کرتا کہ دوسروں کے سامنے عریاں ہو تو وہ اسی انسان کو یہ حکم کس طرح دے سکتا ہے کہ وہ عین اس کے حرم میں ساری خدائی کے سامنے ننگا ہو جائے اور ننگے ہو کر اس کے آگے پھیرے لگائے ! آخر خدا اور اس کی پاکیزہ صفات، انسان اور اس کی سلیم فطرت کے ساتھ اس بیہودہ حرکت کا کیا جوڑ ہے ؟ خدا پہ ایسی بے ہودہ تہمت کیوں لگاتے ہو ؟ ' مالا تعلمون ' یعنی ایسی بات جو بالکل بے سند اور بے دلیل ہے۔

' قل امر ربی بالقسط ' لفظ ' قسط ' پر ' پوری تفصیل کے ساتھ ' ہم سورہ آل عمران کی تفسیر میں بحث کر آئے ہیں۔ اللہ تعالے چونکہ ' قائم بالقسط ' ہے اس وجہ سے بندوں کو اس نے جو حکم بھی دیا ہے سرتاسر قسط پر مبنی ہے۔ ' قسط ' ایک جامع حقیقت ہے جو تمام شریعت الٰہی کی روح ہے۔ یعنی ہر چیز میں ٹھیک ٹھیک نقطۂ عدل و اعتدال کا اہتمام۔ اس کا تعلق زندگی کے کسی ایک ہی پہلو سے نہیں ہے بلکہ ہر پہلو سے ہے۔ عقائد میں، اعمال میں، عبادات میں، اخلاق میں، معیشت میں، معاشرت میں، قانون میں، سیاست میں، غرض ہر شعبہ زندگی میں یہی وہ اصل الاصول ہے جس پہ شریعت الٰہی مبنی ہے۔

موقع و محل کی تبدیلی سے اس کی تعبیریں بدل بدل جائیں گی لیکن اصل حقیقت اپنی جگہ پہ قائم رہے گی۔ مثلاً دیکھئے اسی قسط پہ یہاں ' اقیموا وجوھکم عند کل مسجد ' کو مبنی کیا اس لئے کہ جب خالق و مالک خدا ہے تو یہ قسط کے خلاف ہے کہ عبادت کی پیشانی کسی اور کے سجدہ سے آلودہ ہو۔ اسی پر ' کما بدا کم تعودون ' کو مبنی کیا اس لیے کہ یہ قسط کا تقاضا ہے کہ جب اس نے پیدا کیا، پرورش کے اسباب

وسائل فراہم کئے، خیر و شر کا امتیاز بخشا تو وہ حساب و کتاب بھی کرے اور جزا و سزا بھی دے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے تو وہ قسط نہیں بلکہ ظلم و جور ہوگا۔ پھر دیکھیے آگے چل کر اسی پہ 'خذوا زینتکم عند کل مسجد' اور 'کلوا واشربوا ولا تسرفوا' کو مبنی کیا۔ یعنی یہ بات قسط کے خلاف ہے کہ خدا کی عبادت کے لیے آدمی لباس کو ترک کر دے یا کھانے پینے کی لذات سے دستبردار ہو جائے۔ قسط یہ ہے کہ آدمی پہنے بھی، کھائے پیئے بھی، البتہ کسی چیز میں اسراف نہ کرے، اسراف قسط کے خلاف ہے۔ الغرض یہ قسط ایک ایسی کسوٹی ہے کہ جو شخص حکمت دین سے آشنا ہو وہ اس پہ پرکھ کے جان سکتا ہے کہ کون سی بات خدا کی ہے اور کون سی بات خدا کی نہیں ہے۔

'واقیموا وجوھکم عند کل مسجد وادعوہ مخلصین لہ الدین'۔ 'قسط' ایک حقیقت جامعہ ہے جیسا کہ اوپر گزرا، اور اس کا سب سے پہلا تقاضا یہ ہے کہ خدا کے حقوق میں کسی دوسرے کو شریک نہ کیا جائے۔ عبادت صرف خدا کا حق ہے، کوئی اور عبادت کا سزاوار نہیں ہے۔ اس وجہ سے نہ کسی غیر اللہ کے لیے مسجد بن سکتی نہ کسی مسجد میں اللہ کے سوا کسی اور کی طرف رخ کرنے کی نیت کی جا سکتی۔ سجدہ خدا ہی کے لیے زیبا ہے اس وجہ سے مسجد اپنی فطرت ہی کے اعتبار سے خدا کے لیے خاص ہوتی ہے جیسا کہ فرمایا ہے وان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا ۱۸۔ جن (اور یہ کہ مسجدیں صرف اللہ ہی کے لیے ہیں تو تم ان میں اللہ کے سوا کسی اور کو نہ پکارو) بعینہٖ یہی بات آیت زیر بحث میں فرمائی کہ ہر مسجد صرف اللہ ہی کے لیے ہوتی ہے اس وجہ سے اپنے رخ اسی کی طرف کرو۔ 'اقیموا وجوھکم' کے بعد 'الی اللہ وحدہ' یا اس کے ہم معنی الفاظ حذف کر دیئے گئے ہیں اس لیے کہ بعد کے الفاظ 'وادعوہ مخلصین لہ الدین' کے الفاظ اس محذوف کا حق بھی ادا کر رہے ہیں اور اس حقیقت کا بھی اظہار کر رہے ہیں کہ خدا کی عبادت صرف عبادت ہی کے اخلاص کی مقتضی نہیں ہے بلکہ وہ اطاعت کے اخلاص کو بھی مقتضی ہے۔

'کما بدأکم تعودون'۔ یہ توحید کے مضمون کی تاکید و توثیق ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا ہی کی عبادت اور خدا ہی کی اطاعت اس لیے کرو کہ جس خدا نے تم کو پیدا کیا ہے پھر اسی کی طرف لوٹنا ہے اور جس طرح اس دنیا میں تنہا آئے ہو اسی طرح تنہا ہی اس کی طرف

لوٹو گے بھی، تمہارے مزعومہ شریکوں اور سفارشیوں میں سے کوئی بھی تمہارے ساتھ نہیں ہوگا۔ قرآن کی اس بلاغت کے قربان جائیے کہ کل دو لفظ ہیں اور دو لفظوں میں اس نے آخرت اور توحید دونوں کا تعلق بھی واضح کر دیا اور آخرت کی ایک نہایت واضح دلیل بھی بیان فرما دی۔

'فریقا ھدی وفریقا حق علیھم الضلالۃ انھم اتخذوا الشیاطین اولیاء الایۃ' مطلب یہ ہے کہ اصل حقیقت تو وہ ہے جو اوپر بیان ہوئی اور اللہ نے ایک گروہ کو اس حقیقت پر ایمان لانے کی توفیق بھی دی ہے لیکن ایک گروہ پر گمراہی مسلط ہو گئی۔ اس نے شیاطین کو اپنا دوست بنا رکھا ہے اور یہ شیاطین ان کو انہی گمراہیوں میں پھنسائے ہوئے ہیں جن میں ابلیس نے ان کو پھنسانے کی دھمکی دی تھی لیکن اپنی شامت اعمال سے گمان یہ کئے بیٹھے ہیں کہ وہ راہ ہدایت پر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ اپنی اس جہالت سے باز نہ آئے تو لازماً اسی انجام سے دوچار ہوں گے جو ایسے شامت زدوں کے لیے مقدر ہے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِىَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَاۗءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۔ ۳۱-۳۴

'یا بنی ادم خذوا زینتکم عند کل مسجد الایۃ' 'یا بنی آدم' کا خطاب قریش اور عربوں ہی سے ہے۔ اس میں آدمؑ کی طرف نسبت میں بلاغت وہی ہے جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا کہ اس سے اولادِ آدمؑ اور شیطان کی اس سرگزشت کی یاددہانی ہوتی ہے جو تمام نسل آدمؑ کی مشترک سرگزشت ہے اور جو ہر ابن آدمؑ کو یہ سبق دیتی ہے کہ شیطان ان کا ابدی دشمن ہے جس کو دوست بنانا اور جس کے کہے پر چلنا اپنے اور اپنے باپ کے دشمن

کو دوست بنانا ہے۔

اس جوگ کی نفی جو عریانی کو تقویٰ کا مظہر ٹھہراتا ہے

'خذوا زینتکم': یہاں زینت سے مراد لباس فاخرہ نہیں بلکہ مجرد لباس ہے۔ لباس کو زینت کے لفظ سے تعبیر کی وجہ یہاں یہ ہے کہ طواف میں عریانی اختیار کرنے کا فلسفہ یہی تراشا گیا تھا کہ لباس زیب وزینت میں داخل ہے اور زیب وزینت اس عبادت کے شایان شان نہیں ہے۔ حج اور احرام میں فی الجملہ زہد و درویشی تو حضرت ابراہیمؑ کے عہد ہی سے چلی آ رہی ہے اور یہ حج کی خصوصیات میں سے ہے لیکن عربوں نے دورِ جاہلیت میں جہاں اور رہبت سی بدعات ایجاد کیں وہیں یہ بدعت بھی ایجاد کر ڈالی کہ احرام کی سادگی اور درویشی کو عورتوں اور مردوں سب کے لیے عریانی کے حد تک پہنچا دیا۔ قرآن نے یہ اسی بدعت کی اصلاح کی۔ فرمایا کہ یہ عریانی بے حیائی ہے۔ اپنے لباس ہر مسجد کی حاضری کے وقت پہنو۔ جس طرح کوئی مسجد غیر اللہ کے لیے نہیں ہو سکتی اسی طرح کوئی مسجد ایسی نہیں ہو سکتی جس کی حاضری کیلئے یہ شرط ٹھہرائی جائے کہ آدمی وہاں کپڑے اتار کر حاضر ہو۔ 'کل مسجد' فرما کر اس حکم کو عام کر دیا کہ حرم اور غیر حرم کی تخصیص نہ رہ جائے یہ اس جوگ اور رہبانیت کی کلی نفی ہے جو عریانی کو تقرب الٰہی اور وصول الی اللہ کا ذریعہ ٹھہراتی ہے۔

تقویٰ کے خلاف افراط اور تفریط ہے

'کلوا واشربوا ولا تسرفوا انہ لا یحب المسرفین': جس طرح لباس تقویٰ اور دین داری کے خلاف نہیں ہے اسی طرح کھانا پینا اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانا بھی دینداری کے خلاف نہیں ہے۔ دینداری اور تقویٰ کے خلاف جو چیز ہے وہ اسراف ہے۔ اس لیے کہ یہ چیز اس 'قسط' کے خلاف ہے جو تمام شریعت اور تمام احکام الٰہی کی، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، روح ہے۔ اللہ تعالیٰ 'قائم بالقسط' ہے اس وجہ سے وہ 'مُقسطِین' یعنی عدل و اعتدال پر قائم رہنے والوں کو پسند کرتا ہے 'مسرفین' یعنی عدل و اعتدال سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ یہ بے اعتدالی افراط کی نوعیت کی بھی ہو سکتی ہے، تفریط کی نوعیت کی بھی، اور یہ دونوں ہی باتیں خدا کی پسند کے خلاف ہیں۔ نہ وہ یہ پسند کرتا کہ آدمی کھانے پینے پہننے ہی کو مقصود بنائے اور رات دن اسی کی سرگرمیوں میں مشغول رہے اور نہ وہ یہ پسند کرتا کہ ان چیزوں کو راہبوں اور جوگیوں کی طرح تیاگ دے۔ تبذیر اور تفریط دونوں ہی شیطان کی نکالی ہوئی راہیں ہیں، خدا زندگی کے ہر پہلو میں عدل و اعتدال کو پسند فرماتا ہے۔

اصل لفظ اعتدال

یہ سوال کہ ان چیزوں میں نقطۂ عدل و اعتدال کیا ہے اور حد اسراف کیا ہے انسان کی عقل سلیم اور فطرت سلیم پر چھوڑا گیا ہے اس لئے کہ اس کی کوئی قانونی حد بندی ممکن نہیں ہے۔ اشخاص اور حالات کے اعتبار سے اس میں فرق بھی ہو سکتا ہے۔ ایک غنی اور ایک فقیر دونوں کے لیے کوئی ایک معیار مقرر نہیں ہو سکتا ہے۔ تاہم ہر غنی سے اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ اس کے پاس جو مال ہے اس میں دوسروں کے بھی حقوق ہیں اس وجہ سے اس کے لیے اس سے فائدہ اٹھانا تو مباح ہے لیکن اسراف و تبذیر جائز نہیں ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ مسرفین کو دوست نہیں رکھتا۔ "دوست نہیں رکھتا" کے الفاظ معمولی نہیں ہیں اس لئے کہ خدا جن کو دوست نہیں رکھتا لازماً وہ اس کے نزدیک مبغوض ہیں۔

'قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبٰت من الرزق'

یہ سوال تردید اور انکار کی نوعیت کا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے عطا کئے ہوئے لباس اور پاکیزہ رزق کو تم نے کس کے کہنے سے حرام ٹھہرایا ہے! ان چیزوں کا عطا کرنے والا تو خدا ہے تو ان کو حرام ٹھہرانے کا حق کسی دوسرے کو کہاں سے حاصل ہوا؟ "التی اخرج لعبادہ" یہاں بطور دلیل وارد ہے، مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں تو خود زبان حال سے شہادت دے رہی ہیں کہ عطا کرنے والے نے یہ بندوں کے برتنے کے لیے عطا فرمائی ہیں تو ان پر کوئی ناروا پابندی عائد کرنے کے کیا معنی؟ ان پر کوئی پابندی تو ان کا عطا کرنے والا ہی عاید کر سکتا ہے اور اس کے لیے ضروری ہے کہ تمہارے پاس کوئی سند یا دلیل ہو۔

اللہ کی نعمتوں کے جائز حقدار اہل ایمان ہی ہیں۔

'قل ھی للذین اٰمنوا فی الحیوٰۃ الدنیا خالصۃ یوم القیامۃ الآیۃ'۔

اس ٹکڑے میں حذف کا وہ اسلوب ملحوظ ہے جس کی ہم ایک سے زیادہ مقامات میں وضاحت کر چکے ہیں کہ بعض مرتبہ مقابل الفاظ حذف کر دیئے جاتے ہیں اس لیے کہ مذکور خود محذوف پر دلیل ہو جاتا ہے۔ یہاں 'للذین اٰمنوا' اور 'خالصۃ' کے مقابل الفاظ حذف ہیں۔ اس حذف کو کھول دیجئے تو آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ اللہ کی تمام نعمتیں اس دنیا میں بھی اصلاً اہل ایمان ہی کا حق ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں کافروں کو بھی شریک کر دیا ہے، رہا آخرت کا معاملہ تو وہاں یہ سو فیصدی اہل ایمان ہی کا حصہ ہوں گی، کافروں کا ان میں کوئی حصہ نہیں ہو گا، البتہ دنیا میں انہوں نے ان سے جو فائدہ اٹھایا اس کی جواب دہی انہیں کرنی ہو گی۔ مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانا ایمان اور دینداری کے منافی

نہیں ہے جو لوگ اللہ کی نعمتوں کو مایا کا جال سمجھتے ہیں اور ان سے دستبرداری کو تقرب الٰہی کی شرط، ان کا خیال صحیح نہیں ہے ۔ صحیح یہ ہے کہ اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاؤ، اللہ کے شکر گزار رہو، اعتدال اور میانہ روی اختیار کرو اور اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کرتے رہو ۔

'کذٰلک نفصل الآیات' بطور امتنان ہے اور 'لقوم یعلمون' میں فعل ارادۂ فعل کے مفہوم میں ہے ۔

خدا کی حرام ٹھہرائی ہوئی اصل چیزیں

'قل انما حرم ربی الفواحش الآیہ' : اب یہ بتایا کہ خدا نے حرام کیا چیزیں قرار دی ہیں اور ان کے بتانے کا اسلوب ایسا اختیار فرمایا ہے جس سے یہ بات آپ سے آپ نکلتی ہے کہ جو چیزیں خدا نے حرام ٹھہرائی ہیں وہ تو تم نے نہ صرف جائز بلکہ دین بنا رکھی ہیں اور اچھی بھلی جائز و طیب چیزوں کو حرام کرکے دینداری کا ڈھونگ رچائے ہوئے ہو ۔

ان حرام چیزوں میں 'فواحش' ہیں، عام اس سے کہ وہ ظاہری ہوں یا باطنی ۔ ظاہری اور باطنی کی وضاحت انعام آیت ۱۵۱ کے تحت ہو چکی ہے ۔

اس کے بعد اثم و بغی ہے ۔ ان دونوں لفظوں کی تحقیق بھی پیچھے گزر چکی ہے ۔ 'بغی' کے معنی تعدی اور سرکشی کے ہیں یعنی خدا کے حدود و احکام سے تعدی و سرکشی ۔ اس کے ساتھ 'بغیر الحق' کی قید کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی 'بغی' حق بھی ہوتی ہے بلکہ یہ 'بغی' کے گھنونے پن کو واضح کرتی ہے کہ ہر 'بغی' بجائے خود ناحق ہوتی ہے ۔ یہ کسی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ خدا سے اکڑے اور اس کے حدود پر حملہ آور ہو ۔ جس طرح قتل انبیا کے جرم کے ساتھ یہ لفظ استعمال ہوا ہے، اسی طرح یہاں بھی استعمال ہوا ہے

'وان تشرکوا باللہ مالم ینزل بہ سلطانا' یعنی جہاں تک خدا کو ماننے کا تعلق ہے وہ تو عقل و فطرت کا ایک بدیہی تقاضا ہے اور مشرک بھی خدا کو مانتا ہے لیکن یہ بات کہ خدا کا کوئی شریک بھی ہے تو اس کے لیے دلیل کی ضرورت ہے اور دلیل بھی ایسی جو 'برہان' یعنی ایک حجت قاطع کی حیثیت رکھتی ہو اس لیے کہ خدا کی خدائی میں یوں ہی کسی کو جوڑ دینا سارے نظام عقل و فطرت اور پورے نظام عدل و قسط کو درہم برہم کر دینا ہے ۔ اتنی بڑی بات بغیر اس کے مان لینے کا کوئی جواز نہیں ہے کہ خدا نے اس کی کوئی نقلی یا عقلی یا فطری دلیل اتاری ہو ۔

'وان تقولوا علی اللہ مالا تعلمون' ۔ 'قول علی اللہ' سے مراد افترا علی اللہ ہے ۔ یعنی اپنے جی سے حلال و حرام ٹھہرانا ، اپنی خواہشوں کی پیروی میں بدعتیں ایجاد کرنا، من مانے طور پر شریعت تصنیف کرنا اور ان ساری چیزوں کو خدا کی طرف منسوب کرنا کہ خدا نے ان کا حکم دیا ہے ۔ اس ٹکڑے سے نبوت و رسالت کی ضرورت کا بھی اظہار ہو رہا ہے ۔ جب خدا کی طرف کوئی بات بے سند منسوب کرنا ناجائز ہے تو لازم ہے کہ اس کی طرف سے رسول آئیں اور ان کی پیروی کی جائے۔

ہر قوم کے لیے ایک اجل مقرر ہے

'ولکل امۃ اجل الاٰیۃ' : ہم سورہ کے تمہیدی مباحث میں عرض کر چکے ہیں کہ اصلاً یہ سورہ انذار کی سورہ ہے ۔ یہ باتیں جو اوپر بیان ہوئیں محض فردِ جرم یا اتمام حجت کی نوعیت کی ہیں ۔ اس وجہ سے کلام بار بار اپنے اصل مضمون کی طرف لوٹتا ہے ۔ اوپر آیت ۲۹ میں 'کما بدأکم تعودون' میں جس طرح آخرت کی یاد دہانی کی اسی طرح یہ آیت قریش کو اللہ تعالیٰ کی اس سنت کو یاد دلا رہی ہے کہ تمہاری ان تمام شرارتوں کے باوجود اگر تمہاری پکڑ نہیں ہو رہی ہے تو یہ نہ سمجھو کہ پکڑ ہو گی ہی نہیں ۔ یہ سنت اللہ جس طرح تمام سرکش و باغی قوموں کے باب میں، جیسا کہ آیت ۴-۹ میں بیان ہوئی ، پوری ہوئی تم پر بھی لازماً پوری ہو گی ۔ یہ مہلت جو تمہیں ملی ہے اس وجہ سے ملی ہے کہ اللہ نے ہر امت کی تباہی کے لیے ایک مدت مقرر کر رکھی ہے ۔ جب وہ پوری ہو جائے گی تو نہ ایک گھڑی پیچھے آئے گی نہ آگے بڑھے گی ۔

افراد اور اقوام کے لیے اجل کے الگ الگ پیمانے

یہاں اس مقررہ مدت کے لیے 'اجل' کا لفظ استعمال ہوا ہے ۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ افراد اور اقوام کے معاملے میں خدا نے 'اجل' کے پیمانے الگ الگ رکھے ہیں ۔ افراد کے پیمانے تو سالوں، مہینوں، دنوں اور گھنٹوں منٹوں کے حساب سے پورے ہوتے ہیں ۔ جب وہ پورے ہو جاتے ہیں، فرد ختم ہو جاتا ہے ۔ قوموں اور امتوں کا معاملہ اس سے مختلف ہے ۔ ان کا حساب ان کے ایمانی و اخلاقی زوال سے ہوتا ہے ۔ اخلاقی زوال و فساد کی ایک خاص حد ہے جو کسی قوم کے پیمانہ کے بھر جانے کی نشانی ہے ۔ جب قوم گرتے گرتے اس حد کو پہنچ جاتی ہے ، اس کا سفینہ غرق ہو جاتا ہے ۔ جس طرح افراد کی موت کا وقت اللہ کے سوا کسی کو نہیں معلوم ، اسی طرح قوموں اور ملتوں کے فنا ہونے کے صحیح وقت کا علم بھی اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے ۔ وہی جانتا ہے کہ کب کوئی قوم اپنے زوال اخلاقی کے اعتبار سے اس آخری حد پر پہنچ گئی کہ اب اس کا صفحۂ ارض پر باقی رہنا حکمت الٰہی کے خلاف ہے ۔ یہاں وہ سنت الٰہی یاد رکھنی چاہیے جس کی وضاحت ہم متعدد

مقامات میں کر چکے ہیں کہ کسی قوم میں رسول کی بعثت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتمام حجت کی آخری شکل ہوتی ہے اس وجہ سے قوم جب اپنے رسول کی تکذیب کر دیتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو لازماً فنا کر دیتا ہے۔ اس مسئلہ پر تفصیلی بحث انشاء اللہ سورۂ یونس کی تفسیر میں آئے گی۔

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَکْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ اُولٰٓئِكَ یَنَالُهُمْ نَصِیْبُهُمْ مِّنَ الْکِتٰبِ حَتّٰٓی اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا یَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوْٓا اَیْنَ مَا کُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ کَانُوْا کٰفِرِیْنَ ۳۵-۳۷

شیطان کے فتنوں سے امان

یابنی آدم اما یاتینکم رسل منکم: یہ اس وعدے کی یاد دہانی ہے جو اللہ تعالیٰ نے آدمؑ اور ان کی ذریت کے لیے اس وقت فرمایا تھا جب آدمؑ کے جنت سے نکالے جانے کا واقعہ پیش آیا ہے۔ سورہ بقرہ میں اس کا ذکر یوں ہوا ہے۔ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِیْعًا فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۳۸ (ہم نے کہا، یہاں سے اترو تم سب تو اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت تو جو میری ہدایت کی پیروی کریں گے ان پر نہ کوئی اندیشہ طاری ہوگا، نہ ان کو کسی بات کا غم ہوگا۔) آدمؑ اور اولاد آدمؑ سے اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ ان کو شیطان اور اس کی ذریات کی فتنہ انگیزیوں سے بچانے کے لیے فرمایا تھا کہ اگر شیطان کے فتنوں سے محفوظ رہنا ہے تو میرے بھیجے ہوئے رسولوں کی پیروی کرنا۔ آدم و ابلیس کی جو سرگزشت اس سورہ میں اوپر بیان ہوئی ہے اس پر غور کیجیے تو اس کے اندر اس انتظام کی عقلی و فطری ضرورت موجود ہے۔ بقرہ کی تفسیر میں ہم نے واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذریت آدمؑ کے باب میں فرشتوں کے گمان کی تردید بھی اولادِ آدمؑ میں پیدا ہونے والے انبیاء و مصلحین کے ناموں کے حوالہ ہی سے فرمائی تھی۔ یہی وعدہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے نسل آدم میں انبیا و رسل کا سلسلہ جاری کر کے پورا فرمایا۔ اسی کی یاد دہانی یہاں قریش کو کی گئی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تمہیں شیطان نے بالکل اپنے نرغے میں لے لیا ہے۔ اس کے فتنوں سے امان کی شکل وہی ہے جو شروع ہی میں بتا دی گئی تھی کہ جو رسولوں کی پیروی کریں گے وہ شیطان کے شر سے محفوظ رہیں گے تو تم اگر شیطان کے فتنوں سے امان چاہتے ہو تو اس رسول کی پیروی کرو جو تمہیں اللہ کی آیات سناتا ہوا آگیا ہے۔

"فالذین کذبوا بآیاتنا واستکبروا عنھا" استکبار کے بعد حرف "عن" اس بات پر دلیل ہے کہ لفظ استکبار یہاں اعراض کے مفہوم پر بھی مشتمل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارے رسول آیات الٰہی سنانے آئیں گے تو جو لوگ ان کو جھٹلائیں گے اور متکبرانہ ان سے منہ موڑیں گے وہ دوزخ میں پڑیں گے۔

فمن اظلم ممن افترٰی علی اللہ کذبا او کذب بآیاتہ الایۃ۔ اوپر کی آیات میں، جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، یاد دہانی ہے۔ اب یہ براہ راست قریش کی نسبت ارشاد ہو رہا ہے کہ ان سے بڑھ کر ظالم اور بدقسمت کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھیں یا اس کی آیات کی تکذیب کریں۔ "اولئک ینالھم نصیبھم من الکتاب" اس دنیا میں زندگی کے جو دن نوشتۂ تقدیر میں لکھے ہوئے ہیں وہ یہ پورے کریں گے۔ یہاں تک کہ ہمارے فرشتے ان کو موت دیں گے اور ان سے پوچھیں گے کہ اللہ کے سوا جن کو تم پکارتے رہے ہو وہ کہاں گئے، اب ان کو پکارو۔ یہ اس افترا علی اللہ کی وضاحت ہو گئی جس کا ذکر اوپر گزرا۔ شرک کو "افترا علی اللہ" کہنے کی وجہ ہم دوسرے مقام میں واضح کر چکے ہیں۔ فرشتوں کے لیے "رسل" کا لفظ قرآن میں ایک سے زیادہ مقامات میں آیا ہے۔ یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ "رسول" اور "ملک" کے لغوی مفہوم میں کوئی خاص فرق نہیں ہے۔ یہاں "رسل" کا لفظ جمع لانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ لفظ ملک الموت اور ان کے تمام عملہ پر حاوی ہے۔ "قالوا ضلوا عنا" یہ ان کے اعتراف کی تعبیر ہے اور وہ اپنے اس اعتراف سے اپنے کفر کی شہادت خود اپنی زبان سے دے دیں گے۔ کسی اور کی گواہی کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

قَالَ ادْخُلُوْا فِیْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ
وَالْاِنْسِ فِی النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ
حَتّٰۤی اِذَا ادَّارَكُوْا فِیْهَا جَمِیْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ
رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ
قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ
فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا
كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا

عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ
الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ
نَجْزِی الْمُجْرِمِيْنَ ۝ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ
فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِيْنَ ۳۸-۴۱

'قال ادخلوا فی امم' یہ وہ انجام بیان ہو رہا ہے جو ان لوگوں کے سامنے آئے گا۔ 'قال' کا فاعل جب اس طرح کے مواقع میں حذف کر دیا جاتا ہے تو یہ بے اعتنائی اور بے رخی پر دلیل ہوتا ہے۔

یہاں دو ظرف مذکور ہوئے ہیں۔ 'فی امم' اور 'فی النار'۔ پہلے سے اس امر کا اظہار مقصود ہے کہ تمہارے ساتھی کون لوگ ہوں گے؟ فرمایا، جاؤ، ان لوگوں کے شریک حال بنو جو تم سے پہلے جنوں اور انسانوں میں سے شیطان کی پیروی کر کے گمراہ ہوئے، دوسرے سے مستقر و مقام کا پتہ دیا ہے کہ تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔ گویا ساتھی بھی بدترین، جگہ بھی بدترین!

'کلما دخلت امۃ لعنت اختہا حتی اذا اداركوا فیہا الایۃ۔'

'اداركوا' اصل میں 'تداركوا' ہے۔ عربی میں الفاظ کی ہیئت میں بعض اوقات اس طرح کی تبدیلی ہو جاتی ہے۔ 'تدارك القوم' مثلاً لحقوا ای لحق اخرہم اولہم (تدارك القوم، کے معنی ہیں قوم کے پچھلے اگلے سے جا ملے) 'قالت اخراہم لاولہم' میں 'ل' 'فی' کے معنی میں ہے۔ اس کی مثالیں پیچھے گزر چکی ہیں۔ یعنی پچھلے اپنے اگلوں کے بارے میں کہیں گے۔

'ضعف' کے معنی دو گنے کے بھی ہیں اور قرینہ موجود ہو تو اس سے زیادہ کے لیے بھی اس کا استعمال ہوتا ہے۔

اہل دوزخ کی باہمی جوتم پیزار کی تصویر

یہ تصویر ہے اس جوتم پیزار کی جو ان لوگوں کے اندر دوزخ کے باڑے میں اکٹھے ہو جانے کے بعد ہوگی۔ دنیا میں تو یہ ایک دوسرے کے تابع اور متبوع، لیڈر اور پیرو، ساتھی اور مددگار بنے رہے۔ ایک دوسرے کے گن گاتے اور جھنڈے اٹھائے پھرتے رہے۔ سلامیاں اور ایڈریس پیش کرتے رہے۔ لیکن وہاں دوزخ میں آمنے سامنے ہوتے ہی ہر گروہ دوسرے پر لعنت کے دونگڑے برسائے گا۔ تابعین متبوعین سے کہیں گے تم پر پھٹکار ہو، تمہیں

نے ہمارا بیڑا غرق کیا! متبوعین کہیں گے تم خود شامت زدہ تھے کہ تم ہماری راہ چلے، اس میں ہمارا کیا قصور!

یہ صورتِ حال تو اس وقت کی بیان ہوئی ہے جب بالکل اول اول آمنے سامنے ہوں گے۔ اس کے بعد جب سب اکٹھے ہولیں گے تو پچھلے اپنے اگلوں کے بارے میں خدا سے استغاثہ کریں گے کہ خداوندا ہم انہی کے ہاتھوں گمراہ ہوئے اس وجہ سے تو ان کو دونا عذاب دے۔ ارشاد ہوگا لکل ضعف ولکن لا تعلمون، تم میں سے ہر ایک کے لیے یعنی اگلوں اور پچھلوں دونوں ہی کے لیے دونا عذاب ہے لیکن تم جانتے نہیں۔

یہ امر یہاں ملحوظ رہے کہ نیکی ہو یا بدی دونوں ہی اپنی فطرت کے اعتبار سے متعدی چیزیں ہیں۔ یہ اپنے کرنے والوں ہی کی ذات تک محدود نہیں رہتی ہیں بلکہ ان کے اثرات دوسروں تک بھی منتقل ہوتے ہیں یہاں تک کہ وراثت در وراثت ہو کر نیکی کا ایک ذرہ احد پہاڑ کے برابر ہو سکتا ہے اور بدی کا ایک تخم فساد ایک لق ودق جنگل کی شکل اختیار کر سکتا ہے۔ یہی اصول اس حدیث میں بیان ہوا ہے جس میں حضورؐ نے کوئی اچھی یا بری مثال قائم کرنے والوں کے نتائج اعمال کی وسعت و زیادت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ آپ کا ارشاد ہے کہ دنیا میں جو قتل بھی ہوتا ہے اس کے وبال کا ایک حصہ آدم کے بیٹے قابیل کے کھاتے میں بھی جمع ہو رہا ہے جس نے ہابیل کو قتل کر کے قتلِ ناحق کی طرح ڈالی۔ یہاں زیرِ بحث ٹکڑے میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ تم میں سے اگلے اور پچھلے دونوں ہی کے لیے اپنے گناہوں کے ساتھ ساتھ ان کے گناہوں میں سے بھی حصہ ملنے والا ہے جن کے لیے تم نے ان گناہوں کی مثال قائم کی۔ تم فریاد کر رہے ہو کہ تمہارے اگلوں نے تمہارے لیے بری مثال قائم کی اس وجہ سے ان کو زیادہ عذاب ہو۔ ان کو بیشک زیادہ عذاب ملے گا لیکن آخر تم نے جو بری مثال قائم کی یا اپنے بعد والوں کے لیے چھوڑی اس کے نتائج سے کس طرح بچ جاؤ گے؟ جو پیمانہ ان کے لیے ہے وہی پیمانہ تمہارے لیے ہے۔ اگر ان کی روشِ بد کے ساتھ ساتھ تم اپنی روشِ بد کے اثرات کا بھی علم اور اندازہ رکھتے تو تم مانتے کہ تم اور وہ دونوں یکساں مجرم ہو لیکن تمہیں اپنے بوئے ہوئے فساد کی لہلہاتی ہوئی فصل کی جڑ شاخوں کا صحیح تخمینہ معلوم نہیں ہے۔ اب وہ تمہارے سامنے آئے گا۔

نیکی اور بدی دونوں اپنی فطرت کے اعتبار سے متعدی چیزیں ہیں

وقالت اولٰهم لاخرٰهم فما کان لکم علینا من فضل الایۃ۔ یہ اگلوں

کی طرف سے پچھلوں کی مذکورہ بالا بات کا جواب ہوگا کہ اگر ہم نے تمہارے لیے بری مثال قائم کی تو تم نے دوسروں کے لیے کونسی اچھی مثال قائم کی۔ بات تو جب تھی کہ تم نے کوئی اچھی مثال قائم کی ہوتی۔ اس صورت میں بے شک تم ہمارے مقابل میں ترجیح اور فضیلت کے سزاوار تھے لیکن جب تم بھی وہی کچھ کرکے آئے ہو جو ہم کرکے آئے ہیں تو ہم میں اور تم میں فرق کیا؟ جس طرح ہم اپنے کیے کا مزا چکھیں گے تم بھی اپنے کئے کا مزا چکھو۔

'اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا الاٰية'۔ لفظ 'استکبار' کے ساتھ 'عن' کے صلہ کا فائدہ ہم اوپر واضح کرچکے ہیں۔

لا تفتح لهم ابواب السماء کے دو مفہوم

'لا تفتح لهم ابواب السماء' کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ان کے لیے سماء جنت کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے، دوسرا یہ کہ اہل ایمان کی طرح آسمان میں ان کا خیر مقدم نہیں ہوگا بلکہ وہ نہایت ذلت و فضیحت کے ساتھ اپنے انجام بد دیکھنے کے لیے مجرموں اور بدمعاشوں کی طرح ہنکائے ہوئے لے جائے جائیں گے۔ قاعدہ ہے کہ جن کا اعزاز و اکرام مقصود ہوتا ہے ان کے لیے نہایت اہتمام سے پھاٹک کھولے جاتے ہیں، پھاٹک پر ان کے خیر مقدم کے لیے ان کے خیر مقدم کرنے والے دو رویہ کھڑے ہوتے ہیں، وہ اہلاً و سہلاً، احسنت اور مرحبا، سلام اور محبت کے نعروں سے ان کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ برعکس اس کے جن کی تذلیل مد نظر ہوتی ہے وہ قیدیوں کی طرح جیل کے پھاٹک کی کھڑکی سے اس کے اندر ٹھونس دیئے جاتے ہیں۔ گویا 'لا تفتح' سے مقصود نفس فعل کی نفی نہیں بلکہ اس کے لازم کی نفی ہے جس کی مثالیں کلام عرب میں بہت ملتی ہیں۔

متکبر جنت میں نہیں داخل ہو سکتا

'لا يدخلون الجنة حتى يلج الجمل في سم الخياط'۔ یہ اس قسم کا اسلوب بیان ہے جس کو تعلیق بالمحال کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح اونٹ کا سوئی کے ناکے میں داخل ہونا محال ہے اسی طرح ان مستکبرین کا جنت میں داخل ہونا محال ہے۔ تعبیر کا یہ اسلوب پچھلے صحیفوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ انجیل میں ہے "اور یسوع نے اپنے شاگردوں سے کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ دولت مند کا آسمان کی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے اور پھر تم سے کہتا ہوں کہ اونٹ کا سوئی کے ناکے سے نکل جانا اس سے آسان ہے کہ دولت مند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو"۔ متی ۱۹، ۲۳ تا ۲۴ ۔ قرآن اور انجیل کی تعبیر میں بس یہ فرق ہے کہ سیدنا مسیحؑ نے سبب استکبار یعنی دولت کا حوالہ دیا ہے اور قرآن نے اصل جرم

یعنی استکبار کا۔ اوپر ہم آدم و ابلیس کے قصے میں استکبار کی حقیقت بھی واضح کر چکے ہیں اور یہ بھی واضح کر چکے ہیں کہ ابلیس کے جنت سے نکالے جانے کا اصل سبب استکبار ہوا اس وجہ سے جن کے اندر استکبار کا کوئی شائبہ ہوگا وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھیں گے۔ سیدنا مسیح کا ارشاد ہے "مبارک ہیں وہ جو دل کے غریب ہیں، آسمان کی بادشاہی میں وہی داخل ہوں گے۔"

لھم من جھنم مھاد و من فوقھم غواش۔ 'مہاد' کے معنی بچھونے کے ہیں اور 'غواش' غاشیہ کی جمع ہے جس کے معنی ڈھانک لینے والی کے ہیں۔ یہاں اس سے مراد اوڑھنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے لیے اوپر اور نیچے سے جہنم ہی اوڑھنا بچھونا ہوگی۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الآیہ۔ اب یہ مقابلہ کے اصول پر اہل ایمان کا حال بیان ہو رہا ہے کہ وہ جنت میں کس طرح خوش و خرم، راضی و مطمئن اور اللہ کی توفیق ہدایت اور رسولوں کی رہنمائی پر کس طرح سراپا شکر و سپاس ہوں گے۔ آیت میں لا نکلف نفسا الا وسعھا کا ٹکڑا بطور جملہ معترضہ ہے جس سے یہ اطمینان دلا دیا کہ یہ ذمہ داری اللہ نے اپنے بندوں پر ان کی حد وسع سے زیادہ نہیں ڈالی ہے۔ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ ایسا بوجھ ہے جو اٹھایا نہیں جا سکتا۔ یہ ذمہ داری بس اسی حد تک ہے جس حد تک بندوں کے امکان میں ہے۔

و نزعنا ما فی صدورھم من غل۔ اس ٹکڑے میں زبان کا وہ اسلوب ملحوظ ہے، جس کی ایک سے زیادہ مقامات میں ہم وضاحت کر چکے ہیں کہ بسا اوقات ایک لفظ استعمال ہوتا ہے اور مقصود اس سے اس کا لازم ہوتا ہے۔ مثلاً ارشاد ہوا ہے فالیوم ننسٰھم کما نسوا لقاء یومھم ھذا (پس آج ہم ان کو بھلا دیں گے جس طرح انہوں

نے اپنے اس دن کی ملاقات کو بھلائے رکھا) ظاہر ہے کہ یہاں بھلا دینے سے اس کا لازم یعنی عدم التفات مراد ہے ، ورنہ اللہ کے کسی چیز کو بھلا دینے کے کیا معنی ؟ وہ تو کوئی چیز کبھی نہیں بھلاتا ۔ اسی طرح فرمایا ہے ۔ فاذکرونی اذکرکم (پس تم مجھے یاد رکھیو ، میں تمہیں یاد رکھوں گا) ' میں تمہیں یاد رکھوں گا ' یعنی میری نظرِ عنایت تم پر برابر رہے گی ، ہر قدم پر تمہاری مدد کروں گا ، اپنا ایک ایک وعدہ جو میں نے تم سے کیا ہے پورا کروں گا اور مزید براں اپنے فضلِ ابدی سے نوازوں گا ۔

اسی اسلوب پر یہاں ' نزعنا ما فی صدورھم من غل ' سے مراد یہاں اس کا لازم ہے ۔ یعنی اہلِ ایمان جنت میں ایک دوسرے سے تپاک اور محبت سے ملیں گے ، ایک دوسرے کا خیر مقدم کریں گے ، آمنے سامنے بیٹھ کر آپس میں تبادلۂ مہر و محبت کریں گے ، ان کے درمیان کسی رنجش و کدورت کا کوئی شائبہ نہ ہوگا ۔ یہی مضمون دوسرے مقامات میں ، علی سرر متقابلین ، کے الفاظ سے ادا ہوا ہے ۔ یعنی وہ آمنے سامنے تختوں پر بیٹھے ہوں گے اس لئے کہ ان کے دل ایک دوسرے سے بالکل صاف ہوں گے ۔ ایک دوسرے سے منہ پھیر کر بیٹھنا باہمی رنجش کی دلیل ہے اور آنکھوں سے آنکھیں ملا کر بیٹھنا باہمی اعتماد و محبت کی ۔ قرآن نے یہاں ' نزعنا ما فی صدورھم من غل ' سے اہلِ جنت کی اسی حالت کا اظہار فرمایا ہے اور یہ بات ٹھیک ٹھیک اہلِ دوزخ کی اس حالت کے مقابل میں بیان ہوئی ہے جو اوپر بیان ہوئی ۔ وہاں تو آپس میں لعنتوں کا تبادلہ ہوگا ، جوتیوں میں دال بٹے گی اور یہاں مجلس مہر و محبت کی عطر بیزیوں سے معمور ہو گی ۔

' وقالوا الحمد للہ الذی ھدانا لھذا ' ۔ یہ وہ شکر ہے جو کسی طویل اور پر صعوبت سفر کے بعد منزلِ مقصود پر پہنچنے والا مسافر ادا کرتا ہے ۔ ' ھدانا لھذا ' میں اللہ تعالیٰ کی اس توفیق بخشی کی طرف بھی اشارہ ہے جو طالبینِ حق کو ہر قدم پر حاصل ہوتی ہے اور اس رہنمائی کی طرف بھی جو اپنے نبیوں اور رسولوں کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ مہیا فرماتا ہے ۔ ' وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ ' میں اس سفر کے پر صعوبت ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے اور اس بات کی طرف بھی کہ اہلِ جنت کو جو کامیابی حاصل ہوگی وہ ان کی توقعات اور امیدوں ، ان کے قیاسات اور اندازوں سے اتنی زیادہ ہوگی کہ وہ اس کو خدا کا فضل ہی فضل سمجھیں گے ، اس میں اپنی سعی و تدبیر کے کسی دخل کا ان کو گمان بھی نہ ہوگا ۔

[illegible]

لقد جاءت رسل ربنا بالحق :- اللہ تعالیٰ کے شکر کے بعد یہ انبیاء و رسل کی عظیم خدمات اور ان کی کہی ہوئی مہربات کی صداقت کا اعتراف ہے۔ یعنی اہلِ جنت رسولوں کی دی ہوئی ہر چیز کو واقعہ کی شکل میں دیکھ کر پکار اٹھیں گے کہ انہوں نے جو کچھ کہا حرف بہ حرف حقیقت ثابت ہوا۔ اس میں ان لوگوں کے لیے تنبیہ ہے جن کی تکذیب اور جن کے استکبار کا اوپر ذکر ہوا۔

ونودوا ان تلکم الجنة اور ثتموها بما کنتم تعملون :- یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہلِ جنت کے لیے منادیِ عام ہوگی کہ اس جنت کے تم اپنے اعمال کے صلے میں وارث بنائے گئے۔ اہلِ جنت کا خود اپنا احساس تو اوپر یہ نقل ہوا ہے کہ وہ اس جنت کو اپنی سعی و عمل کے بجائے صرف خدا کے فضل و احسان کا ثمرہ سمجھیں گے لیکن اللہ تعالیٰ اس کو ان کے سعی و عمل کا ثمرہ قرار دیگا۔ یہ تکمیل نعمت کی معراج ہے۔ بندوں کے اعمال کا درجہ اس آیت نے اتنا اونچا کر دیا ہے کہ اس سے زیادہ اونچے درجے کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا۔ دنیا میں ہم جو کچھ پاتے ہیں خدا کے فضل ہی سے پاتے ہیں، آخرت میں بھی خدا کے فضل ہی سے پائیں گے لیکن رب کریم اس کو ہمارا حق اور ہماری محنت کا ثمرہ قرار دے گا۔ کون اندازہ کر سکتا ہے اس ابدی بادشاہی کا جس کے متعلق ہر شخص کا شعور یہ ہوگا کہ یہ اس نے اپنی کوششوں سے بنائی ہے اور یہ لازوال ہے! انسان صرف یہی نہیں چاہتا کہ اس کو نعمتیں حاصل ہوں بلکہ وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ نعمتیں اس کی اپنی ہوں۔ اس احساس کے بغیر وہ کسی نعمت کا صحیح لطف نہیں اٹھا سکتا۔ اللہ تعالیٰ جنت میں اس کی فطرت کا یہ تقاضا بھی پورا کر دے گا۔

اس آیت میں وراثت کا جو لفظ استعمال ہوا ہے اس میں ایک لطیف تلمیح ہے اس ماجرے کی طرف جو اوپر آدمؑ کے جنت سے نکالے جانے کا مذکور ہوا ہے۔ وہاں یہ اشارہ موجود ہے کہ اولادِ آدم میں سے بھی وہی لوگ اپنے باپ کی اس جنت کے وارث ٹھہریں گے جو شیطان کی تمام فتنہ آرائیوں کے علی الرغم ایمان و عمل صالح کی صراطِ مستقیم پر قائم رہیں گے۔ یہاں 'اورثتموھا' کا لفظ استعمال کر کے گویا شاباش دے دی کہ بے شک تم نے بازی جیت لی اور اب تم حق دار ہو کہ تم اس جنت کے وارث بنائے جاؤ۔

"تدبّرِ قرآن کی جلد دوم کا انتظار شدت سے ہو رہا ہے اور ہمارے پاس اس سلسلے میں خطوط آتے رہتے ہیں۔ اس کی کتابت کا مرحلہ مکمل ہوئے تین چار ماہ ہو چکے ہیں لیکن ایک پرانے رفیق کی غیر ذمہ دارانہ روش کی بنا پر تصحیح کا مرحلہ طول کھینچ گیا ہے چنانچہ ابھی اس کے قدردانوں کو مزید انتظار کی زحمت برداشت کرنی ہوگی۔

ایک دوسری خوشخبری البتہ حاضر ہے۔ اور وہ یہ کہ مولانا امین احسن اصلاحی نے بفضلہٖ تعالیٰ سورہ ہود کی تفسیر مکمل کر لی ہے۔ اور اب سورہ یوسف زیرِ تفسیر ہے۔ اس طرح کم از کم تصنیف کی حد تک تو گویا تیسری جلد بھی مکمل ہو گئی ہے۔

سلسلہ اشاعت قرآن اکیڈمی

● —— (۱) ——

اسلام کی نشاۃ ثانیہ : کرنے کا اصلی کام

★ تالیف : ڈاکٹر اسرار احمد —— قیمت ۱/-

● (۲)

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

★ تالیف : ڈاکٹر اسرار احمد —— قیمت : ۱/-

● (۳) — اسلامی تحقیق کا مفہوم مدعا اور طریق کار

★ تالیف : ڈاکٹر محمد رفیع الدین مرحوم ایم اے، پی ایچ ڈی۔ ڈی لٹ

قیمت قسم اعلیٰ : ڈیڑھ روپیہ ؛ قسم ادنیٰ ۱/-

● (۴) — قرآن اور امن عالم

★ تالیف : ڈاکٹر اسرار احمد : قیمت : ۵۰ پیسے

● (۵) — قرآن اور پردہ

★ تالیف : مولانا امین احسن اصلاحی قیمت : ۶۰ پیسے

ملنے کا پتہ دار الاشاعت الاسلامیہ کوثر روڈ، اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور

مطالعہ حدیث

مولانا عبد الغفار حسن
استاذ الحدیث، جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ

زراعت اور باغبانی کی فضیلت

(۱) عن انس رضی اللہ عنہ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ما من مسلم یغرس غرسًا او یزرع زرعًا فیأکل منہ طیر او انسان او بھیمۃ الا کان لہ بہ صدقۃ ۱

صحیح بخاری مع فتح الباری ج ۵ ص۳ } صحیح مسلم طبع مصر مع نووی ج ۱۰ ص۲۱۴ کتاب المساقاۃ و کتاب المزارعۃ، باب فضل الغرس والزرع { المزارعۃ۔ مسند احمد ۳ ص۱۴۷

(ترجمہ) حضرت انس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، جو کوئی مسلمان بھی باغ میں پودا لگاتا ہے یا کھیت میں بیج ڈالتا ہے پھر اس باغ یا کھیت سے کوئی پرندہ، انسان یا چوپایہ چگتا ہے، کھاتا ہے یا چرتا ہے تو یہ سب کچھ اس مسلمان کے نامۂ اعمال میں صدقہ شمار ہوتا ہے۔

(۲)۔ دوسری روایت میں مزید تفصیل کے ساتھ آپ نے زراعت اور باغبانی کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

عن جابر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ما من مسلم یغرس غرسًا الا کان ما اکل

کوئی مسلمان پودا نہیں لگاتا مگر جو کچھ اس سے کھایا جاتا ہے وہ صدقہ شمار ہوتا ہے اور جو چوری ہو جاتا ہے وہ بھی صدقہ کے حکم میں

منہ لہ صدقۃ، وما سرق منہ لہ صدقۃ، وما اکل السبع منہ فھولہ صدقۃ، وما اکلت الطیر فھولہ صدقۃ ولا یرزؤہ احد الا کان لہ صدقۃ، زاد فی روایۃ الی یوم القیامۃ

صحیح مسلم ج ۱ صفحہ ۱۶ مسند احمد ج ۳ صفحہ ۳۹۱

ہے اور جو اس "باغ" میں سے درندہ کھا جاتا ہے وہ بھی صدقہ ہے اور جو پرندے چگ جاتے ہیں وہ بھی صدقہ ہے اور جو کچھ بھی کمی آتی ہے وہ "اللہ تعالیٰ" کے ہاں صدقہ قرار پاتی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ ثواب کا سلسلہ قیامت تک جاری رہتا ہے"

(۳) عن انس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان قامت الساعۃ وفی ید احدکم فسیلۃ فان استطاع ان یقوم حتی یغرسھا فلیغرسھا۔

مسند احمدؒ ج ۳ صفحہ ۱۸۳ الادب المفرد للبخاریؒ صفحہ ۱۶۳ ۔ مجمع الزوائد۔ وقال الہیثمی رواہ البزار ورجالہ ثقات اثبات ج ۴ صفحہ ۶۳ 〃 〃 〃 〃

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسی حالت میں قیامت قائم ہو جائے جبکہ تم میں سے کسی کے ہاتھ میں کھجور کا چھوٹا سا پودا ہو تو حتی الامکان اس کو زمین میں لگائے بغیر وہاں سے نہ ہٹے۔ حافظ ہیثمیؒ نے یہاں اس روایت کو نقل کرنے کے بعد (مجمع الزوائد) میں کہا ہے کہ اس حدیث کو محدث بزارؒ نے روایت کیا ہے اس کے رجال ثقہ اور انتہائی قابل اعتماد ہیں۔

ان روایات سے زراعت اور باغبانی کی فضیلت معلوم ہوتی ہے اس بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی تاکید فرمائی کہ قیامت کی ہنگامہ خیز گھڑی بھی سر پر آجائے تب بھی وہ اس عمل کو پورا ہی کرکے ٹلے۔ ساتھ ہی یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ باغ یا کھیت میں سے کوئی انسان یا پرندہ یا چوپایہ کچھ کھا جائے تو اس کے مالک کو ناگوار نہیں ہونا چاہیے قیامت تک اس کے باغ یا کھیت میں جو بھی کمی آئے گی وہ صدقہ شمار ہوگی اور اسے اس کا بے پایاں اجر و ثواب ملے گا۔

امام بخاری نے عنوان قائم کیا ہے باب اصطناع المال الادب المفرد

مع شرح فضل اللہ الصمد ج ا ص۵۶۳ " یعنی مال کی نگہداشت" اور پھر مذکورہ بالا حدیث لائے ہیں اور اس کے بعد حارث بن لقیط کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ہم میں سے کسی کے ہاں گھوڑی کا بچہ دیتی تو وہ اسے یہ کہتے ہوئے ذبح کر ڈالتا، کیا میں اس وقت تک زندہ رہ سکوں گا جبکہ میرے لیے اس پر سواری ممکن ہو گی، اس دوران حضرت عمرؓ کا حکم آیا کہ جو کچھ بھی اللہ تعالٰے نے تمہیں عطا فرمایا ہے اس کی دیکھ بھال رکھو اس لئے کہ اس معاملہ میں اللہ تعالٰے نے کشادگی رکھی ہے، یعنی اس بارے میں نہ تو مایوس ہونا چاہیئے اور نہ جلد بازی سے کام لینا چاہیئے: ایک واقعہ امام بخاریؒ نے نقل فرمایا ہے کہ داؤد بن ابی داؤد انصاری کا بیان ہے کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا تم باغ میں پودا لگانے کے لیے آمادہ ہو اسی حال میں تمہیں دجال کے خروج کا علم ہو جائے تو تم جلد بازی مت کرنا بلکہ اس کی نگہداشت رکھنا، کیونکہ اس کے بعد بھی لوگ زندہ رہیں گے۔ حوالہ مذکور ج ا ص۵۶۴۔ ابن خزیمہ بن ثابت کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ سے سنا ہے جبکہ وہ میرے والد سے کہہ رہے تھے۔ آخر کیا بات ہے کہ تم اپنی زمین میں باغ نہیں لگاتے۔ میرے والد نے جواب دیا میں بوڑھا ہو چکا ہوں موت سر پر منڈلا رہی ہے" یعنی اب باغبانی سے کیا فائدہ "۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تمہیں تاکید کرتا ہوں کہ تم ضرور اپنی زمین میں باغ لگاؤ یعنی اس معاملہ میں ذرا سی بھی سستی اور مایوسی کا شائبہ نہ ہو۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نے خود دیکھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے والد کے ساتھ باغ میں پودے لگا رہے تھے۔ بحوالہ الجامع الکبیر للسیوطیؒ ۳/ ۲۳۷/ ۲ - کنز العمال ج ۲ ص۳۴۲ طبع دوم

ان مذکورہ بالا احادیث اور روایت کی بنا پر بعض صحابہ کرام اس شخص کو جو اپنی زمین کی دیکھ بھال کرتا تھا، اللہ تعالٰے کے عمّال میں سے ایک عامل قرار دیتے تھے۔

امام بخاریؒ نے الادب المفرد میں نافع بن عاصمؒ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اپنے بھتیجے سے جو کہ باغ سے باہر نکل رہا تھا فرمایا۔ کیا تمہارے مزارع کام میں مشغول ہیں؟ اس نے جواب میں کہا "مجھے علم نہیں ہے"

صدٰ یہ حوالہ علامہ ناصرالدین البانی (شام کے مشہور محدث) کی تالیف الاحادیث الصحیحہ ج ا حد ا سے لیا گیا ہے

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر تمہارا تعلق قبیلہ بنی ثقیف سے ہوتا تو تمہارے مزارعے اور ملازم جو کام کر رہے ہیں وہ تم خود بھی کرتے۔ راوی کا بیان ہے کہ پھر انہوں نے ہماری طرف متوجہ ہوتے ہوئے فرمایا جو شخص اپنے گھر میں یا اپنے مال میں محنت و مشقت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے عمال میں سے ایک عامل شمار ہوتا ہے۔ اس روایت کی سند قابل قبول ہے۔ اس روایت میں " وھط" کا لفظ آیا ہے جس کے معنی باغ کے ہیں۔ یہ باغ طائف کے علاقہ میں " وج " سے تین میل فاصلہ پر وسیع و عریض رقبے میں پھیلا ہوا تھا۔ ابن عساکرؒ نے اپنی تاریخ میں کہا ہے کہ اس باغ میں انگور کی بیلیں پھیلانے کے لیے دس لاکھ بانس لگے ہوئے تھے انہوں نے ہر بانس ایک درہم میں خریدا تھا۔

اس روایت سے اس باغ کی وسعت اور پھیلاؤ کا اندازہ ہو سکتا ہے سند کے لحاظ سے یہ روایت صحیح ہے اور ضمناً اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی اراضی اور باغات انفرادی ملکیت میں رکھے جا سکتے ہیں۔

بقیہ: حرمت صحابہؓ ـ صفحہ ۱۵ سے آگے

تو ان کے جواب میں یہ کہو تم میں سے (یعنی صحابہ کرامؓ اور ان کے

ناقدین میں سے) جو بُرا ہو اس پر اللہ کی لعنت ہو (ترمذی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ بعد کی امت کے لیے حق و باطل کا معیار ہیں۔ انہیں معیت نبوی کا جو شرف حاصل ہوا اس کے مقابلہ میں کوئی بڑی سے بڑی فضیلت ایک جو کے برابر بھی نہیں۔ کسی بڑے سے بڑے ولی اور قطب کو ان کی خاک پا بننے کا شرف حاصل ہو جاتے تو اس کے لیے مایۂ صد افتخار ہے اس لیے امت کے کسی فرد کا۔ خواہ وہ اپنی جگہ مفکر دوراں اور علامۂ زماں ہی کہلاتا ہو۔ ان پر تنقید کرنا قلبی زیغ کی علامت ہے ایاز! قدر خویش بشناس!! یہ دنیا حق و باطل کی آماجگاہ ہے۔ یہاں باطل حق کا لبادہ اوڑھ کر آتا ہے بسا اوقات ایک آدمی اپنے غلط نظریات کو صحیح سمجھ کر ان سے چمٹا رہتا ہے جس سے رفتہ رفتہ اس کے ذہن میں کجی آجاتی ہے اور بالآخر اس سے صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط سمجھنے کی استعداد ہی سلب ہو جاتی ہے اور یہ بڑی خطرناک بات ہے اہل حق و تحقیق کی یہ شان نہیں کہ وہ ـــ میں یہ سمجھتا ہوں ـــ کی بر خود غلط فہمی میں مبتلا ہوں۔ اور جب انہیں اخلاص و خیر خواہی سے تنبیہ کی جائے تو تاویلات کا "ضمیمہ" لگانے بیٹھ جاتیں ـ اہل حق کی شان تو یہ ہے کہ اگر ان کے قلم و زبان سے کوئی نامناسب لفظ نکل جائے تو تنبیہ کے بعد فوراً حق کی طرف پلٹ آئیں ـ حق تعالیٰ جل ذکرہ، ہمیں اور ہمارے تمام مسلمان بھائیوں کو ہر زیغ و ضلال سے محفوظ فرمائے، اور اتباع حق کی توفیق بخشے۔ (آمین)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک محبّ و مونس کی حیثیت سے

تحریر
علامہ عباس محمود العقاد
ترجمہ
حکیم سید افتخار حسن ندوی

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ جو آدمی مخلوقِ خدا سے محبت رکھنے والا ہوتا ہے وہی آدمی لوگوں کی محبت کا اہل بھی ہوتا ہے اور جب ہی طرفین میں والہانہ صدق و وفا اور بے لوث اور سچی محبت پایۂ تکمیل کو پہنچتی ہے۔ بلاشبہ صدق و صفا پر مبنی تعلقات اس وقت انتہائی وسعت کے ساتھ تکمیل کو پہنچتے ہیں جب ذوقِ سلیم، متانتِ خلق، فطرتِ وفا اور شفقت اور انسانیت کے بے پایاں جذبات کا وافر حصہ انسان کو ملا ہو۔ ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ محبت کرنے والا لوگوں سے اس لیے محبت نہ کرتا ہو کہ لوگ اس سے محبت کریں کیونکہ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ لوگوں سے اس حال میں محبت کرتا ہے کہ اس میں سلامت ذوق کا اس درجہ نقص ہوتا ہے جو لوگوں کو محب کی ذات سے برگشتہ خاطر کر دیتا ہے اور لوگوں میں اس کی محبت کو گھٹا دیتا ہے پھر اتنا ہی کافی نہیں کہ درجہ صداقت پر گامزن ہونے کے لیے محبت رکھنے والے انسان میں سلامت ذوق کا وجود ہو کیونکہ گاہے محب سلیم الذوق اور محبوب ہونے کے باوجود اس میں خلقِ متین اور جذبہ وفا کا فقدان ہوتا ہے اس لیے دوستی و محبت کا قیام و دوام ناممکن ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سچی محبت و دوستی کا مکمل وسیلہ تو سلامت وجدان، ذوقِ سلیم، خلقِ متین اور زندہ جاوید جذبہ صداقت ہی ہو سکتا ہے اور لاریب اس جامع و مکمل معیار سے صرف سرورِ کونین علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی متصف ہیں وہی ان تمام خصائل پر فائز نظر آتے ہیں وہی پسندیدہ اور خالص خلقِ الٰہی کے مظہر صادق اور مثالی نمونہ بن کر ہمارے سامنے آئے ہیں۔

چنانچہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجسم رحمت اور حد درجہ شفیق و مہربان ثابت ہوئے اصلاحِ معاشرہ

کا آپ نے بیڑا اٹھایا اور باوجود طبائع۔ سن وسال اور مکان ومقام کے اختلاف کے آپ ہمیشہ ہر چھوٹے بڑے سے بے پناہ محبت فرماتے تھے۔ آپ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ بوڑھے ہو کر بھی تقریباً ساٹھ سال کی عمر میں آپ اپنی والدہ محترمہ کی قبر پر کھڑے ہو کر اتنا روئے کہ ہم اسے بھلا نہیں سکتے۔ تمام عالم میں انسانی محبت کا اس سے برتر واعلیٰ اور کامل وافضل نمونہ کیا ہوگا۔ کہ ساٹھ سال کی عمر سے متجاوز ہونے کے باوجود آپ کو اپنی رضاعی ماں حلیمہ سعدیہ سے بے پناہ محبت تھی۔ آپ کا حال یہ تھا کہ جب بھی آپ کو دیکھ پاتے تو امی امی کہہ کر پکارتے تھے۔ ان کی تعظیم وتکریم کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے اور چادر بچھا دیتے تھے۔ پھر آپ ان کو اونٹ اور بکریاں اس قدر عنایت فرماتے جو زمانہ قحط میں ان کو بے فکر وبے نیاز کر دیں۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ کے پاس قبیلہ ہوازن کے کچھ لوگ غزوۂ حنین کے قیدی بن کر مدینہ طیبہ آئے جن میں آپ کا رضاعی چچا بھی تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت شفقت کی بنا پر مجاہدین سے قیدی بچوں اور عورتوں کو رہا کر دینے کی صرف سفارش کی، حکم نہیں دیا لیکن جن جن لوگوں کو مجاہدین آزاد کرنے پر آمادہ نہ ہوئے ان کو آپ نے خود خرید کر آزاد کر دیا۔ اس طرح ایک عجمی کنیز کی شفقت ومحبت کو بھی آپ تا زندگی نہ بھلا سکے۔ جنہوں نے آپ کو پالا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے احسان کا بدلہ اس طرح دیا کہ ان کو ازدواجی زندگی کی مسرتوں متمتع ہونے کے قابل بنا دیا۔ چنانچہ آپ نے صحابہ سے فرمایا "جو کوئی ایک جنتی عورت سے شادی کر کے خوش ہونا چاہتا ہو، ام ایمن سے شادی کرے"۔ آپ جب بھی ام ایمن کو دیکھ لیتے تو امی امی کہہ کر پکارتے اور ان سے باتیں کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اکثر حضرت ام ایمن کو میدان کارزار میں فتح یابی کے لیے جناب باری تعالیٰ میں اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان سے اس حال میں دعا کرتے ہوئے دیکھا گیا کہ وہ عجمی ہونے کی وجہ سے یہ نہیں جانتی تھیں کہ دعا کن الفاظ میں کی جائے۔ مگر ایسی گھمسان جنگ کے ہیجان انگیز لمحات میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہو کر بڑے احترام کے ساتھ ان سے ہم کلام ہوتے تھے۔

آپ کا انسانی جذبہ اس قدر وسیع تھا کہ اس کی وابستگی آپ کے نفس عالی کے ہر وسیلہ صداقت کو بدرجہ کمال محیط تھا۔ چنانچہ آپ کے صحابہ میں سے کوئی صحابی اگر آپ سے ملاقات کرتا تو آپ بھی اس کے ساتھ کھڑے ہو جاتے اور اس وقت تک آپ اس کے پاس سے نہ ہٹتے تھے جب تک وہ خود نہ ہٹ جاتا اور جب کوئی صحابی آپ سے ملتا تو آپ مصافحہ کے لیے اپنا دست مبارک بڑھا دیتے اور اس وقت تک ہاتھوں کو نہ کھینچتے تھے جب تک وہ خود نہ کھینچ لیتا۔ آپ جب کسی کو رخصت فرماتے تو مصافحہ ضرور فرماتے اور جب تک دوسرا شخص اپنا ہاتھ کھینچ نہ لیتا آپ اپنے دست مبارک کو نہ کھینچتے تھے۔ آپ اپنے اہل وعیال اور بچوں کے لیے بھی بے حد مہربان تھے، اسی لیے حدیث نبوی میں آیا ہے "من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر

کیس منا فلیس منا" یعنی وہ شخص ہماری امت میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کا احترام نہ کرے۔

جہاں تک آپ کی دیانت داری وامانت کا تعلق ہے تو آپ کا کٹر سے کٹر دشمن بھی آپ کے اس جوہر کو مانتا تھا۔ آپ کے دوستوں اور معتقدین کا تو ذکر ہی کیا۔ آپ کی امانت پر لوگوں کو اتنا اعتماد تھا کہ کفار باوجود سخت عداوت ومخاصمت کے اپنی امانتیں آپ ہی کے پاس رکھتے تھے۔ یہ امانت ہی تھی جو آپ کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرنے سے اس حال میں روکے رہی۔ جب کہ اذن الٰہی کے بعد آپ کی ہجرت ناگزیر ہو چکی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جس جس کی امانت آپ کے پاس تھی جب تک اس کی واپسی کا انتظام نہ ہو گیا آپ مکہ سے نہ نکل سکے۔ اس وقت تو ہم آپ ان نازک لمحات کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ جب کہ ادائے امانت کی راہ میں دو طرح کی خطرناک پیچیدگیاں سدراہ تھیں، صورت حال یہ تھی کہ اگر آپ تمام کفار کی امانت ادا کرتے ہیں تو سب کو پتہ چل جاتا ہے کہ حضور ہجرت فرما رہے ہیں۔ پھر تو کفار آپ کی جان ہی کے درپے ہو جاتے۔ یہ اس لیے کہ مشرکین مکہ کو یہ معلوم تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم امانت ادا کیے بغیر کہیں جا ہی نہیں سکتے۔ یہ وہی مشرکین تھے جو بعثت نبوی سے پہلے آپ کو بچپن ہی میں آپ کو امین کا لقب دے چکے تھے۔ اور حقیقت میں یہی وہ اوصاف وخصائل ہیں جو ایک داعی وپیغمبر میں ہونے چاہئیں اور اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ ایسے وسیع وعظیم اخلاقی فضائل ہیں جو تاریخ عالم کی عظیم سے عظیم شخصیتوں میں بھی یکجا طور پر مجتمع نظر نہیں آتے۔ نہ انبیا میں اور نہ غیر انبیا میں، صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ایک ایسی شخصیت ہمیں نظر آتی ہے جن کی ذات سے باوجود اختلاف ممالک واجناس، باوجود اختلاف معاشرہ وماحول، باوجود اختلاف روایات ورسوم اور باوجود اختلاف اقدار خلق کے اعلیٰ وافضل انسانیت کا مکمل فیض عام اپنے انتہائی بلوغ وارتقا یافتہ شکل میں تمام اقوام عالم کو بقدر ظرف نصیب ہوا۔ در سچ ہے وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین ہم نے آپ کو اے نبی تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر ہی تو بھیجا ہے۔ یہاں یہ نکتہ یاد رکھنے کے لائق ہے کہ حکمائے اسلام اس آیت کے لفظ "عالمین" اور سورۃ فاتحہ کی آیت، الحمد للہ رب العالمین کی ہی روشنی میں تو تعدد عالم کے قائل تھے اور یقیناً وہ یہ اچھی طرح سمجھتے تھے کہ روئے زمین کے علاوہ اور ستاروں میں بھی آبادی ہو سکتی ہے لیکن آج دنیا یہ سمجھتی ہے کہ یورپ کی ہی یہ انوکھی تحقیق ہے)

سیرت کی کتابوں میں حضرت زید بن حارثہ کا مشہور واقعہ اس طرح مذکور ہے کہ زید بن حارثہ کو بچپن ہی میں کسی نے وطن سے بے وطن کر دیا تھا۔ نشدہ شدہ کسی طرح یہ مکہ پہنچا دیے گئے۔ پھر قسمت کی یاوری سے کشاں کشاں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پہنچ کر مشرف بہ اسلام ہو گئے اور

انتہائی جوش عقیدت کے ساتھ آپ کی خدمت کرنے لگے۔ لیکن ان کے والدان کے فراق کو برداشت نہ کرسکے تلاش و جستجو میں سرگرداں و پریشان تھے کہ کسی نے ان کو یہ خبر دی کہ تمہارا لڑکا مکہ میں ہے یہ سننا تھا کہ ان کا شوق محبت بے تابانہ ان کو مکہ میں لے آیا لیکن ان کا عشق رسول ان کے باپ کے مادی شوق محبت پر غالب آگیا۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقت حال کا علم ہوا تو آپ نے زید بن حارثہ کو اپنے والد کے ہمراہ چلے جانے کی بخوشی اجازت دے دی۔ لیکن زید بن حارثہ کو جن کے دل میں اسلام کی شمع روشن ہو چکی تھی۔ جن کے ذہن و دماغ پر مئے الست کا عرفانی نشہ چڑھ چکا تھا اور جن کی رگ رگ میں محبت رسول کی رَو دوڑ چکی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی گوارہ نہ کرسکے۔ انہوں نے اپنے والد کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نمایت محبت و الفت کا ہی یہ نتیجہ تھا کہ ایک مرتبہ جو بھی آپ کی رفاقت و سرپرستی میں آجاتا اس کو مرنے کے بعد بھی آپ کی مفارقت گوارا نہ تھی۔ چنانچہ آپ کے ایک خادم حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی حال تھا ان کو اپنے مرنے کے بعد کے فراق رسول کے تصور نے ان کے جسم و جان کو گھلا رکھا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی مفارقت کی فکر نے ان کو ضعیف و ناتواں بنا دیا۔ وہ رات دن ملول و رنجیدہ رہنے لگے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر ان کے حزن و ملال کا سبب دریافت کیا تو عرض کیا: یا رسول اللہ! اس دنیا میں جب میرا یہ حال ہے کہ جب تک مجھے آپ کا دیدار نصیب ہوتا ہے تو میری طبیعت بحال رہتی ہے اور جس وقت آپ کے دیدار سے میں محروم رہتا ہوں تو میں اپنے اندر بڑی وحشت و بے قراری محسوس کرتا ہوں اور نڈھال رہنے لگتا ہوں نتیجہ یہ ہے کہ میرے اندر شوق ملاقات موجزن ہو جاتا ہے مجھے تو یہ فکر کھائے جاتی ہے کہ اس دنیا میں جب میری یہ کیفیت ہے تو مرنے کے بعد جب میں آپ کو نہ دیکھوں گا تو میری بے کلی کا کیا عالم ہوگا۔ کیونکہ میں تو جنت کے ایک درجہ میں ہوں گا اور آپ جنت کے اعلیٰ درجات پر فائز ہوں گے جو انبیاء کے لئے مخصوص ہیں تو کس طرح مجھے آپ کا دیدار نصیب ہوگا۔ حضرات مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ آیت " ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا ۔ (سورہ نساء) کا سبب نزول حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی نادرہ روزگار واقعہ ہے۔ آیت کا ترجمہ ہے:۔ جو بھی اللہ اور رسول کی پیروی کرے گا۔ پس ایسے لوگوں کو ان انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ جنت میں جگہ ملے گی جن پر اللہ نے انعام کیا ہے اور یہ لوگ کتنے اچھے رفیق ہوں گے۔ سچ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بھی تو آپ کی طرح صبغۃ اللہ میں رنگے ہوئے تھے اور ایسا کیوں نہ ہوتا جب کہ آپ کے صحابہ کرام

آپ کی حدیث "لا یؤمن احدکم حتیٰ اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین"
(ترجمہ: تم میں سے کوئی شخص مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے باپ اپنے بیٹے اور تمام لوگوں سے بڑھ کر مجھ سے محبت نہ کرے) کے مثالی مصداق تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھیے کہ جب عالم نزع میں ان کے خاندان والے آہ و بکا میں مصروف ہوتے ہیں تو حضرت بلال یہ دیکھ کر کہتے ہیں: "یہ آہ و بکا کیسی۔ میرے لیے تو یہ تصور حد درجہ خوش کن ہے کہ کل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے جنت میں ملنے والا ہوں"

اب تک ہم نے صرف اس امر کی طرف توجہ دی ہے کہ انسان اور انسان کے مابین صداقت کا معیار کیا ہے۔ ہم نے اس لحاظ سے زیادہ غور نہیں کیا ہے کہ نبی کے ساتھ مومن کی محبت کا بلند ترین معیار کیا ہے۔ اب ہم اس معیار سے مسلمان مرد اور مسلمان عورتوں کے محبت سے بھرپور قلوب کا جائزہ لیتے ہیں۔ اس وقت ہم آپ کے سامنے مسلمانوں کے ایک پرجوش اور سخت میدان جہاد کا منظر پیش کرنا چاہتے ہیں۔ ایک صحابیہ ہیں جن کو خبر دی جاتی ہے کہ تمہارے خاندان کے افراد شہید ہو گئے۔ وہ انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتی ہیں اور کہتی ہیں کہ مجھے اس کی فکر نہیں مجھے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت بتاؤ جن کے لیے میری جان بھی وقف ہے۔ جب ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت معلوم ہوئی تو انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ یہ اس محبت و صداقت کے معیاری نمونے ہیں جن کے ماتحت مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں حسن ایمان اور جوشِ عقیدت کے ساتھ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات پر ایمان لائے تھے۔

یہاں یہ حقیقت بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ کسی امت کی بلند ترین شخصیت کا حق یہ بھی ہے کہ اس ارفع و اعلیٰ شخصیت کے متبعین کی بڑی بڑی شخصیتیں اپنے ہادی افضل کی پرخلوص اطاعت کریں۔ اور اس اعتبار سے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات میں اتنے معجزات جمع ہو گئے ہیں جن کی مماثلت کسی کمیاب الوجود صداقتیں بھی نہیں کر سکیں۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب صاحب اقتدار اور یگانہ روزگار صحابہ کرام اس معیار کے حامل تھے جن کو ثروت و حسب کی عظمت کے علاوہ وفاداری و جاں نثاری، اولوالعزمی و ہمت اور اصابت رائے کی عظمت بھی حاصل تھی۔ حضرت ابوبکر و عمر، حضرت خالد بن ولید اور حضرت اسامہ بن زید، حضرت عمرو بن عاص، حضرت زبیر و طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تمام اولین السابقین ان جملہ عظمتوں کے اعتبار سے بڑے سے بڑے مراتب عالیہ پر فائز تھے اور یقیناً جملہ صداقتوں اور کلی عظمتوں اور محبتوں کے باب میں معجزانہ طور پر

صحابہ کرام کی ذاتوں میں یہ جملہ عظیم خصوصیات مجتمع طور پر رچ گئی تھیں۔ ان میں سے ہر فرد مزکیؐ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آفتاب عالم تاب سے فیض پا کر دنیا کے سامنے مہ و انجم کی صورت میں ظاہر ہوا اور ان میں سے ہر ایک کل معدن خیر کے لیے قطب جاذب کا درجہ رکھتا تھا۔ جن میں قوت و تدبیر، حلم و بردباری عدل و انصاف، ذہانت و اجتہاد اور جوش شباب کے علاوہ بڑے ماہرانہ تجربوں کے جملہ اوصاف بدرجہ کمال و تمام موجود تھے۔ امت محمدیہ ان عظیم تر خصوصیات اس لیے مستحق قرار پائی کہ اس امت کے رسول کی ذات میں جذبات مودت کوٹ کوٹ کر بھرے ہوئے تھے حتیٰ کہ نفس عالی مرتبت نے ہر محبت رکھنے والے کو حسب حال اس کا پورا پورا حصہ دیا۔

یہ بھی ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مخلص رفقا پہ بے حد مہربان تھے۔ یہ اس وجہ سے کہ نور عقل اور نور بصیرت کے بیش بہا خزانے آپ نے ان کو عطا فرمائے اور یقیناً نور بصیرت نور بصر سے افضل ہے کیونکہ نور بصر کی نعمت جانوروں کو بھی حاصل ہے۔ یہی وہ ایسی نعمتیں ہیں جو صرف انسانوں کے لیے مخصوص ہیں۔ لیکن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام محاسن سے متصف ہونے کے باوجود آپ اپنے صحابہ کے فضائل کا نہ صرف ذکر فرماتے تھے بلکہ آپ نے ان کے ذکر کو رفعت و بلندی بھی عطا فرمائی۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ کی بابت آپ نے فرمایا کہ میرے نزدیک جاہ و قدر اور احسان کے اعتبار سے ابوبکر سے کوئی بڑا نہیں ہے، جنہوں نے اپنی جان اور اپنے مال سے میری مدد کی اور اپنی بیٹی میرے نکاح میں دے دی۔ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی بابت ارشاد ہوا کہ ابوبکر و عمر کو میرے کان اور آنکھ کا درجہ حاصل ہے۔ حضرت علی کے متعلق فرمایا "علی دنیا اور آخرت میں میرے بھائی ہیں"۔ بعض صحابہ کی شان میں فرمایا، بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھ کو چار اشخاص سے محبت رکھنے کا حکم دیا ہے۔ ان میں سے حضرت علی، حضرت ابوذر غفاری، حضرت مقداد اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ آپ نے مرض موت میں انصار کی بابت فرمایا۔ انصار سے خیر کی امید رکھو اور ان کا خاص خیال رکھو۔ کیونکہ یہ ہمارے ایسے ہمراز ہیں جن کے پاس ہم اترا تھا ان کی خوبیوں کو دیکھو اور ان کی برائیوں کو نظر انداز کر دو۔"

علاوہ بریں ہمیں اس جگہ اپنے کشادہ دل رسول کی ان انسانی شفقتوں کو بھی آپ کے علم میں لانا ہے جن کا بدترین دشمنوں کے حق میں بھی آپ کی ذات سے ظہور ہوا۔ بدترین دشمنوں کے معاملات میں آپ کا حال یہ تھا تو مخلص جاں نثاروں کے ساتھ آپ کے حسن سلوک کا کیا عالم ہو گا۔ تاریخ و سیرت کے اوراق اس بات کے گواہ ہیں کہ جس جس نے آپ کے چراغ زندگی کو گل کرنا چاہا۔ کسی سے آپ نے

خون بہا نہیں لیا اور سب کو معاف کر دیا۔ آپ نے ایسے شخص سے بھی درگذر فرمایا جس نے سوتے کی حالت میں آپ کو قتل کرنا چاہا لیکن تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ آپ کی نرمی و شرافت اخلاق کا اندازہ اس سے کرنا چاہیے کہ جب تک آپ کے لیے دشمن کی شر انگیزیوں سے بچنا ممکن رہتا، جب تک مصالحت اور حسن سلوک کی گنجائش رہتی، آپ ہرگز جنگ میں پیش قدمی نہ فرماتے تھے۔ آپ کے حسن سلوک کی انتہا یہ تھی کہ عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کی پیہم سازشوں اور حد سے زیادہ ریشہ دوانیوں کے باوجود آپ یہ درجہ غایت چشم پوشی فرماتے تھے۔ تاریخ دشمن سے بھی محبت کرنے کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ اس منافق کا کردار یہ تھا کہ وہ کسی معاہدے پر قائم نہ رہتا اور بار بار عہد شکنی کرتا تھا۔ بظاہر وہ مسلمانوں کا دوست تھا۔ لیکن اپنی خفیہ مجلسوں میں مکر و کید کی اسکیمیں تیار کیا کرتا تھا۔ آخر وہ وقت بھی آیا کہ لوگوں میں یہ خبر پھیل گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کا فیصلہ کر لیا ہے تو اس کے فرزند نے جو مخلص مسلمان تھے آگے آکر حضور کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ! سننے میں آیا ہے کہ آپ میرے باپ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں۔ اگر یہ خبر صحیح ہے تو یہ کام آپ مجھ سے لیں۔ خدا کی قسم قبیلہ خزرج والے یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ قبیلہ میں مجھ سے زیادہ اپنے باپ کی عزت کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ میرے لیے یہ تصور تکلیف دہ ہوگا کہ میرے علاوہ کوئی اور اسے قتل کرے۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں مشتعل ہو کر ایک کافر کے خون کا بدلہ ایک مسلمان قاتل سے لے کر دوزخ میں ڈالا جاؤں۔ یہ سن کر حضور اکرم نے اپنا فیصلہ بدل دیا اور ایسے بدترین دشمن کو نہ صرف معاف فرما دیا بلکہ آپ کی نرمی و تلطف اور حسن سلوک میں پہلے سے اور اضافہ ہو گیا۔ آپ نے اس منافق اعظم کی نماز جنازہ آپ نے پڑھائی۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کلام مجید کی اس کے بارے میں یہ آیت پڑھی۔

"ان تستغفر لھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لھم" (سورہ توبہ۔ ترجمہ: آپ ان منافقین کے لیے دعائے مغفرت کریں یا نہ کریں، آپ اگر ان کی مغفرت کے لیے ۷۰ مرتبہ بھی دعا کریں گے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت نہ فرمائے گا) یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ اگر مجھ کو یہ معلوم ہو جائے کہ ستر مرتبہ سے زیادہ دعائے مغفرت کرنے پر اس کی بخشائش ہو جائے گی تو میں ۷۰ مرتبہ سے زیادہ اس کے لیے دعائے مغفرت کرنے کے لیے تیار ہو جاؤں۔"

یہاں یہ اشارہ بے محل نہ ہوگا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر بعض متعصب یورپین مورخین نے آپ پر ظلم و سنگ دلی کی جو تہمت لگائی ہے وہ بڑی حیرت ناک جسارت ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ آج کس جج کو محض اس بنا پر ظالم و اراذل ٹھہرایا جا سکتا ہے کہ وہ فتنہ پردازوں اور

تشدد پسندوں کے لیے یا کسی قاتل کے لیے سزائے موت تجویز کرتا ہے۔ یقیناً سوسائٹی کے لیے شدید ترین مجرموں کو سزائے موت دینا سوسائٹی کے بے قصور افراد کے حق میں وسیلہ رحمت و سلامتی ہے۔ البتہ نہ ہوتا تو البتہ امن و امان کا نقصان ہوتا اور ناکردہ گناہوں کا خون ناحق ہوتا۔ اس لیے کلام الٰہی کا اعلان ہے کہ "الفتنۃ اشد من القتل" (سورہ بقرہ۔ ترجمہ: تشدد پسندی اور فتنہ سامانی قتل سے کہیں بڑا جرم ہے۔ ایک بچ کے قاتل کو سزا دینا اگر ضروری ہے تو فتنہ و تشدد پھیلانے والوں کو اس سے بھی سخت سزا ملنی چاہیے۔ کیا ایسے جرائم سے بڑھ کر بھی کوئی جرم ہو سکتا ہے جو سارے عوام کو اپنی لپیٹ میں لے لے یورپین مورخین بھی عجیب ہیں جو سزا کو تو دیکھتے ہیں لیکن ان مفسد اور جرائم کو نہیں دیکھتے جو مستوجب سزا ہوئے پھر جرائم بھی کیسے جرائم جو حضور اکرم کے علاوہ کسی اور کے ساتھ اگر وابستہ ہوتے تو نہ جانے خون کی کتنی ندیاں بہہ جاتیں۔ کوئی بتائے کہ کفار و منافقین کی ساری ناشائستہ حرکات اور تمام مفسدانہ تحریکات کی بنا اس کے سوا کیا تھی کہ یہ نفوس قدسیہ صرف ایک خدا کی بندگی چاہتے تھے۔ امت مسلمہ کا صرف قصور یہ تھا کہ یہ ان کے اخلاق ذمیمہ کو سدھارنا چاہتے تھے۔ کیا امت محمدیہ کی یہ مساعی جمیلہ تشکر و امتنان کی بجائے ایسی ہی شدید عداوتوں کی مستوجب تھیں۔

اس مقام پر مشرکین و منافقین کی طویل عداوتوں کے تذکرے کو ہم نظرانداز کرتے ہیں۔ ہم یہاں صرف ایک ایسے واقعہ کو بیان کرنا چاہتے ہیں جو ہر قسم کی فتنہ انگیزی کو محیط ہے واقعہ یہ ہے کہ رسول اکرم نے اپنے چالیس اور بعض روایتوں کی رو سے ۷۰ صحابہ کی ایک جماعت کو بغرض تدریس مدینہ سے باہر بھیجا تھا جو سب کے سب بیر معونہ کے مقام پر شہید کر دیے گئے۔ بھلا ان شہداء کا اس کے سوا کیا قصور تھا کہ اہل معونہ کی طلب پر وہ صرف اس لیے بھیجے گئے تھے کہ وہاں کے لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم دیں۔ اور دین کی باتیں سکھائیں۔ ہم آج کی متمدن دنیا اور مہذب سوسائٹی سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ مغربی دنیا کے ۷۰ یا ۷ مسیحی مبلغین کو آج اگر وحشی قبائل میں بغرض تبلیغ جانا پڑے اور ان کو ان وحشی قبائل کے ہاتھوں نہایت وحشت و بے دردی کے ساتھ قتل ہونا پڑے جو انسانوں کو کھاتے ہیں تو ایسے غدار اور بدعہد قاتلوں سے متعلق اقوام عالم کا اس زمانہ میں کیا طرز عمل ہوگا۔ اسی لیے تو کہا گیا ہے کہ ایسی وحشیانہ و بہیمانہ سرگرمیوں پر سخت سزا دینا عین رحمت و عدل اور حق و انصاف ہے۔

آخر میں ہم بدعہدی و غداری کے ایک بدترین واقعہ کو ذکر کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ یہ واقعہ قبیلہ ہذیل کی عہد شکنی سے متعلق ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ ہذیل کی تعلیم کے لیے چھ اساتذہ کا ایک وفد ان کے پاس روانہ کیا تھا۔ اس وفد کے ہر فرد کو ماسوا ایک کے شہید کر دیا گیا۔ حالانکہ یہ لوگ نہایت

(بقیہ صفحہ ۸۰ پر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت شوہر

از:- حکیم محمد سعید

نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام انسان کامل تھے۔ آپ کی زندگی کا ہر گوشہ اور آپ کے کردار کا ہر رُخ مسلمان کے لیے نمونہ اور اسوہ ہے خدائے بزرگ نے آپ کو انسانوں میں پیدا کیا اور انسانوں ہی کی طرح پیدا کیا۔ اور آپ نے انسانوں کی طرح پوری زندگی گذاری۔ آپ بیٹے بھی تھے اور باپ بھی شوہر بھی تھے اور بھائی بھی، عمر میں چھوٹے بھی تھے اور بزرگ بھی، آپ نے تجارت بھی کی اور فوجیں بھی لڑائیں، محنت کشی بھی کی اور حکمرانی بھی۔ آپ ہر حیثیت سے شاہ راہ حیات پر ایسے نقوش قدم چھوڑ گئے جو قیام قیامت تک ہم لوگوں کے لیے نمونہ اور معیار بنے رہیں گے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔	بے شک تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی زندگی قابل تقلید نمونہ ہے۔

چنانچہ ایک شوہر اور رفیق حیات کی حیثیت سے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جو کردار ہے وہ ہر شوہر کے لیے ایک نمونہ کا کردار ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے تمام مسلمان شوہروں کے لیے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چند احکامات

سماعت فرمایئے۔ ارشاد فرمایا:۔

خیرکم خیرکم لاھلہ — تم میں سب سے بھلا آدمی وہ ہے جو اپنے اہل خانہ کے لیے بھلا ہو۔
(ترمذی، دارمی، ابن ماجہ)

ایک بار ایک ایسے صحابی کو جو زہد و عبادت کی طرف زیادہ متوجہ ہونے کی وجہ سے اپنے اہل سے غافل رہتے تھے۔ آپ نے بلوایا اور فرمایا:۔

ولزوجک علیک حق (بخاری) — اور تمہاری رفیقہ کا بھی تم پر حق ہے۔

صنف ضعیف کے حقوق کا سرکارؐ کو کتنا خیال تھا۔ اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ آپؐ اپنی حیات کے آخری خطبہ حج میں جن اہم تر مسائل پر احکام و نصائح فرماتے تھے۔ ان میں عورت کے حقوق کا مسئلہ بھی تھا فرمایا:۔

> لوگو! عورتوں کے حق میں میری نیکی کی نصیحت کو مانو کہ یہ تمہارے ہاتھوں میں قید ہیں۔ تم اس کے سوا کسی بات کا حق نہیں رکھتے لیکن یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کا کام کریں اگر ایسا کریں تو ان کو خواب گاہ میں علیحدہ کر دو۔ اور ان کو ہلکی مار مارو تو اگر وہ تمہاری بات مان لیں تو پھر ان پر الزام لگانے کے پہلو نہ ڈھونڈو۔ بے شک تمہارا عورتوں پر عورتوں کا تم پر حق ہے۔ تمہارا حق تمہاری عورتوں پر یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر کو دوسروں سے پامال نہ کرائیں۔ جن کو تم پسند نہیں کرتے اور نہ تمہارے گھروں میں ان کو آنے کی اجازت دیں جن کا آنا تم کو پسند نہیں۔ اور ہاں! ان کا حق تم پر یہ ہے کہ ان کے پہنانے اور کھلانے میں نیکی کرو۔ (ابن ماجہ)

بیوی کے حق کی وضاحت ایک اور موقعہ پر ایک سوال کے جواب میں یوں فرمائی۔

> بیوی کا حق شوہر پر یہ ہے کہ جب خود کھائے تو اس کو کھلائے۔ جب خود پہنے تو اس کو پہنائے۔ نہ اس کے منہ پر تھپڑ مارے نہ اس کو برا بھلا کہے نہ گھر کے علاوہ (سزا کے لیے) اس کو علیحدہ کرے۔ (ابن ماجہ)

اختصار کے خیال سے میں نے یہ چند ارشادات نقل کیے ہیں ورنہ بیویوں کے حقوق کے سلسلے میں آپ کے احکام و ہدایات بکثرت ہیں۔

ایک شوہر کی حیثیت سے حضور کیسے تھے اس کا جواب عرض کرنے سے پہلے ہم یہ سوچنے چلیں کہ ایک اچھے شوہر کے لیے عمومی شرائط کیا ہونی چاہئیں۔

- **پہلی** شرط یہ ہے کہ وہ بیوی کے لیے محبت کوش ہو۔
- **دوسری** شرط یہ ہے کہ اس کی ضروریات اور خواہشوں کا حتی الامکان پورا پورا خیال رکھے۔
- **تیسری** شرط یہ ہے کہ جہاں تک اس کے اصول اجازت دیں بیوی کی ان فرمائشوں اور خواہشوں کی تکمیل و تعمیل میں سعی کرے جو چاہے خود اس کے مزاج کے خلاف ہوں۔
- **چوتھی** شرط یہ ہے کہ اگر ازواج ایک سے زیادہ ہوں تو اپنی محبت، وقت، مال اور توجہات کو ان میں ٹھیک ٹھیک اور عادلانہ تقسیم کرے۔

اب ان شرائط کی روشنی میں شوہر کا ایک مثالی کردار ملاحظہ ہو!

جہاں تک شرط اول یعنی محبت کوش ہونے کا تعلق ہے اس کے لیے تو کچھ سوچنا ہی تحصیل حاصل ہے کیونکہ وہ پاک ہستی جو سراپا محبت تھی، محبت کوش تھی، جس کا پیغام محبت کا پیغام تھا، جس کا مشن محبت کا مشن تھا۔ جس نے محبت اور صرف محبت ہی کے زور پر ساری دنیا کو فتح کیا تھا۔ جسے دوستوں سے ہی نہیں دشمنوں سے بھی محبت تھی ایسے محبت کوش کی محبت کوشیوں کا کیا ٹھکانا ہوگا اور وہ بھی اپنی ازواج مطہرات کے لیے۔

آپ نے چھٹی صدی کے عرب کے سے معاشرے میں عورت سے جیسی محبت کرکے دکھائی اور کرنا سکھائی۔ اس کا اندازہ کرنے کے لیے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول سنیئے۔

> ہم لوگ اسلام سے قبل عورتوں کو کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ اسلام نے عورتوں کے لیے احکام نازل کیے اور ان کے حق مقرر کیے (بخاری)

ان احکام و ہدایات کا کیا اثر ہوا، عورت کو کیا کیا حقوق ملے اس کا جواب بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے اس ارشاد کے دوسرے حصے میں دیتے ہیں۔

> ایک بار میں نے اپنی بیوی کو ڈانٹا تو اس نے بھی مجھے برابر کے جواب دیئے۔ (بخاری)

ملاحظہ فرمایا آپ نے یہ انقلاب عظیم! جانور سے بدتر عورت کا درجہ معاشرہ میں کتنا بلند ہوگیا اور ذہن کتنے بدل گئے۔ کہ عورت ڈانٹ سن کر خود بھی ترکی بترکی جواب ترکی زبان میں ہی دیتی ہے اور اصل حصہ اس داستان کا یہ ہے کہ شوہر گھر کی اس جھڑپ کا حال باہر کے لوگوں کو خود سنا رہا ہے شکایتاً نہیں فخر کے لہجے میں!

یہ تو سیدنا عمرؓ تھے اس سے بھی دلچسپ قصہ خود آنحضرتؐ کا ملاحظہ ہو۔ عورتوں کے حقوق کے اس داعی اعظم نے اپنی ہر رفیقہ حیات کو عملاً کتنی آزادی دے رکھی تھی اور کتنے زیادہ حقوق عطا فرما

رکھے تھے۔ صرف دوسروں کو نصیحتوں اور ہدایتوں تک بات ختم نہیں کی تھی۔ خود اپنے گھر میں اس پر عمل کرکے دکھایا تھا۔

ایک بار آنحضرتؐ اپنی حبیبہ سیدنا عائشہؓ سے مصروف کلام تھے۔ کسی خانگی اور نجی مسئلے پر گفتگو تھی۔ لے ذرا بڑھ گئی، جذبات ذرا تلخ ہو گئے، سرکار ایک تو حلیم تھے۔ دوسرے عملاً مساوات کی تربیت کرنی تھی۔ اس لیے طرفین میں سے حضرت عائشہؓ کے ہی الفاظ میں بھی ترشی تھی اور لہجہ بھی بلند تھا میاں بیوی میں یہ کارزار گرم تھا کہ حضرت ابوبکرؓ آنکلے وہ ادھر سرکار کے جاں نثار تھے تو ادھر حبیبہ رسول اللہ کے پدر بزرگوار تھے۔ گویا دو چند ذمہ داری حضرت صدیقؓ نے محسوس کی اور باپ اپنی بیٹی کی سرزنش کے لیے بڑے طیش میں آگے بڑھا اور گرجا:

"ہائیں! تو رسول اللہ کے سامنے آواز اونچی کرتی ہے"

اور ہاتھ بھی بلند کر دیا...... مگر بیٹی اپنے غضب ناک باپ کی سرزنش سے صاف بچ نکلی کس نے بچا لیا۔ حقوق نسواں کے مبلغ اعظمؐ بیچ میں حائل ہو گئے تھے۔

صلی اللہ علیہ و علی وآلہ واصحابہ وسلم سلام اس پر کہ جس نے عورتوں کی دستگیری کی۔

جناب صدیقؓ کے خشم و غضب کا پارہ کتنا ہی بلندی پر کیوں نہ چڑھ گیا ہو۔ جس فعل میں ان کے رفیق و حبیب رسول اللہ حائل و مانع ہوں۔ اس کی تکمیل کی انہیں کب جرأت ہو سکتی تھی۔ غضب پہ ادب غالب آیا اور صدیقؓ والا مقام واپس لوٹ گئے۔

یوں میاں بیوی کی جنگ بھی اس نئے فریق کے کود پڑنے سے ختم ہو گئی حضورؐ نے فرمایا ہو گا۔

"کیوں حمیرا! آج تو میں نے بچا ہی لیا ورنہ ابا اچھی طرح خبر لے ڈالتے"

سیدہ حمیراؓ کھکھلا کر ہنس دی ہوں گی۔ اور رحمت عالمؐ کا قلب مبارک بھی وفور مسرت سے لبریز ہو گیا ہو گا کہ دیکھو اللہ کے فضل و کرم سے پیرا مشن کس قدر کامیاب ہو رہا ہے یہ صنف ضعیف اپنی خودی پہنچانتی جا رہی ہے خود مجھے بھی معاف نہیں کرتی ہے۔

جناب صدیقؓ چند روز بعد پھر کاشانہ نبوت پر حاضر ہوئے تو آج رنگ دوسرا تھا۔ مثالی زوج اور معیاری زوجہ آج حسب معمول خوش دلی اور خوش مزاجی کی حالت میں تھے۔ جناب صدیقؓ کے دل کی کلی کھل اٹھی اور عرض کیا:

میں جنگ میں کود پڑا تھا۔ اب صلح میں بھی شریک کر لیجئے! سرکار مسکرا دیئے اور فرمانے لگے ہاں، ہاں! ضرور!

سرکارؐ نے صحابہ کو اپنی بیویوں کے حقوق ادا کرنے پر جس طرح باربار و بتکرار متوجہ فرمایا تھا اس کے نتیجے میں چند سال کے اندر اندر صنفِ ضعیف کو جو آزادی حاصل ہو گئی تھی۔ اس کا اندازہ بھی آستانۂ نبوی کے ایک واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ حضورؐ کی ازواجِ مطہرات کو حضورؐ سے بربنائے بشریت کبھی کبھی عارضی طور پر کچھ شکوہ بھی ہو جاتا تھا۔ ممکن ہے اس رنج اور شکوہ کی کوئی حقیقت اور اساس ہوتی ہی نہ ہو اور یہ "ناز" کا ایک انداز ہی ہوتا ہو۔ بہرحال ازواجِ مطہرات کبھی کبھی اپنے شکوہ کا اظہار حضورؐ سے فرمایا کرتی تھیں۔ یہ اظہار کس شان سے ہوتا تھا۔ یہ بھی سننے کی چیز ہے۔ یہ بھی سرکارؐ کی کامل تربیت کا ایک شاہکار ہے۔ اس اندازِ شکایت کی مثال خود سرکارؐ ہی کی زبانِ مبارک سے سنئے۔ آپ نے ایک بار حضرت عائشہؓ سے فرمایا:۔

"تم مجھ سے برہم ہوتی ہو تو میں سمجھ جاتا ہوں"

"جناب عائشہؓ نے دریافت کیا ...... وہ کیسے" فرمایا :۔

جب تم مجھ سے خوش رہتی ہو اور کسی بات پر قسم کھاتی ہوتی ہے۔ تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خدا کی قسم کہتی ہو اور جب مجھ سے خوش نہیں ہوتیں تو ابراہیم کے خدا کی قسم کہتی ہو۔

حبیبہ رسول اللہؐ نے عرض کیا:۔

"جی ہاں! یا رسول اللہ (میں ناخوشی میں) صرف آپ کا نام چھوڑ دیتی ہوں"

سنا آپ نے! اب بیوی ناخوش بھی ہونا جان گئی ہے اور اس ناخوشی کے برملا اظہار کی جرأت بھی اس میں پیدا ہو گئی ہے کیا آپ کو اس پر کوئی حیرت نہیں ہو رہی ہے۔ اگر چھٹی صدی عیسوی میں پوری دنیا کی اخلاقی و معاشرتی حالت آپ کے سامنے ہے اور اس دور کے عرب کی عورت کی حالتِ زار کا نقشہ آپ بھول نہیں گئے ہیں تو آپ کی حیرت کی کوئی حد نہیں ہوگی۔

صلوا علیہ وسلموا تسلیما

حضرت عائشہؓ کے اور آں حضورؐ کے سن میں بہت فرق تھا۔ ایک ذہین و طباع اور پھر کم سن لڑکی کا مزاج، مذاق، رنگِ طبیعت، اندازِ فکر، دلچسپیاں غرض ہر چیز ایک پختہ عمر، سنجیدہ، متین متقی اور ذمہ دار شوہر سے مختلف ہونی ہی چاہیے اور پھر شوہر سرکارؐ کا سا جن کے دوش پر ساری دنیا کی قیادت کا بار تھا۔ جن کے دل میں ساری انسانیت کی اصلاح کا جذبہ تھا۔ جن کے ذہن میں عالم کے ایک نئے اور عظیم تر انقلاب کے منصوبے پرورش پا رہے تھے جن کو شوق تھا آدمی کو انسان بنانے کا جن کو فکر تھی نئے خطوط پر تشکیل جدید کی، مختصر یہ کہ آنحضرتؐ کی دلچسپیاں حضرت عائشہؓ کی دلچسپیوں

سے جدا نوعیت کی تھیں یا یوں کہئے ان کے مزاجوں میں اتنا ہی بعد تھا جتنا بڑھاپے اور جوانی میں بعد ہوتا ہے۔ لیکن دوسروں کے جذبات کا پاس کرنا بھی تو آپ سکھانا چاہتے تھے۔ دوسرے کی جائز خواہشوں کو حتی الامکان پورا کرنا بھی آپ ضروری سمجھتے تھے۔

عید کا دن تھا چند حبشی باشندے حرم نبوی کے قریب ایک تماشہ دکھارہے تھے بتقاضائے عمر جناب صدیقہ نے یہ تماشا دیکھنے کی خواہش ظاہر فرمائی۔ سرکار دروازے میں کھڑے ہوگئے اور ام المومنین حضور کے دوش مبارک پر ٹھوڑی رکھ کر تماشہ دیکھنے لگیں۔ اور دیر تک دیکھتی رہیں۔ ایک بار دریافت کیا کیوں حمیرا ابھی نہیں بھرا!

جبلیہ رسول اللہ نے بے تکلف انکار فرمادیا:۔

"ابھی نہیں بھرا"

چنانچہ آپ یوں ہی کھڑے رہے یہاں تک کہ خود جناب صدیقہ تھک کر ہٹ گئیں!

ازدواج کے ابتدائی زمانے میں تو آستانہ نبوی میں جناب صدیقہ کی بہت ہی کم سن سہیلیاں جمع ہوجایا کرتی تھیں۔ سرکار اندر تشریف لاتے تو وہ بھاگ جاتیں مگر آپ ان کو بلالیا کرتے تھے۔

ابتدائی زمانہ میں ہی حضرت صدیقہ گڑیاں تک کھیلا کرتی تھیں۔ آپ نہ صرف اس کھیل میں حارج و مانع نہیں ہوتے تھے بلکہ کبھی کبھی کسی کھلونے کے متعلق کوئی سوال بھی فرمالیا کرتے تھے۔ اور بھولپن کا کوئی جواب سن کر مسکرا دیتے۔

شادی کے چند دن بعد ایک بار خود آنحضرت کی تحریک پر دونوں میں دوڑ کا مقابلہ ہوا حضرت عائشہ چھریرے بدن کی تھیں آگے نکل گئیں۔ بہت دن بعد جب سیدہ کا عمر کے ساتھ بدن بھی بھاری پڑ گیا تھا۔ ایک بار پھر دوڑ ہوئی۔ اب کے میدان حضور کے ہاتھ رہا۔ حضور نے پہلا مقابلہ یاد دلا کر فرمایا" آج اس دن کا بدلہ ہوگیا"

ایک عید کا دن تھا۔ حرم نبوی میں کچھ بچیاں جمع ہوکر کچھ گانے لگیں۔ آپ لیٹے ہوئے تھے۔ منہ ڈھانک لیا۔ لڑکیاں گاتی رہیں۔ اتفاقاً حضرت ابوبکر آگئے اور لڑکیوں کو ڈانٹنے لگے تو آپ نے روک دیا۔

ان بچیوں کو گانے دو یہ ان کی عید کا دن ہے۔ (بخاری)

ایک بار سفر میں ازواج مطہرات بھی ساتھ تھیں۔ ساربانوں نے اونٹوں کو دوڑانا شروع کیا تو آپ کو خواتین کا خیال آگیا اور ساربانوں سے فرمایا:۔ (باقی صفحہ ۸۰ پر)

افکار و آراء

مکتوب مولانا عبدالغفار حسن

(استاذ الحدیث، جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ)

"میثاق" میں تصوف کے زیرعنوان بعض باتیں ایسی شائع ہو جاتی ہیں جن کی اشاعت مناسب نہیں ہے یا وہ خلاف واقعہ ہوتی ہیں۔ مثلاً محبوب الٰہی سلطان المشائخ رحؒ کے بارے میں "نظامِ دو عالم شہ ابرار وطین" کیا یہ غلو نہیں ہے؟ اگر اکبر مرحوم نے کہا ہے تو بھی افسوسناک ہے کہ موحد ہوتے ہوئے ایسی بات کہہ گئے اللہم اغفر لہٗ والرحمہ (میثاق اکتوبر ۶۹ء صفحہ ۶۵)

اصل میں معاملہ یہ ہے کہ مروجہ تصوف کے ساتھ بدعت کے جراثیم ناگزیر ہیں۔ اب تک کا مطالعہ یہی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میری سمجھ کا قصور ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ حارث محاسبیؒ کے تذکرے میں محترم یوسف سلیم چشتی نے تحریر فرمایا ہے:

"اس لیے "ظاہر پرستوں" کے امام، احمد حنبل ان کے شدید مخالف ہو گئے۔ جب ان کا جنازہ مکان سے نکلا تو قبرستان تک صرف چار آدمی ان کے ساتھ تھے" (میثاق فروری ۶۹ء، صفحہ ۴۷)

ساتھ ہی اقبال مرحوم کا شعر بھی درج ہے: "فقیہہ شہر کی تحقیر، کیا مجال مری" اس سلسلہ میں گذارش یہ ہے کہ "ظاہر پرستوں کے امام" اور اس موقع پر "فقیہہ شہر" کا طنز، کیا امام جلیل احمد بن حنبل کی تحقیر و تذلیل نہیں ہے؟ کیا یہ اس جرم کی سزا ہے کہ انہوں نے صوفیہ حضرات کے بعض ملفوظات اور مشاغل پر تنقید کی اور ان سے اختلاف کا اظہار کیا تھا۔ میری رائے میں محترم چشتی صاحب کا یہ اندازِ تحریر متانت و وقار کے خلاف ہے۔

ہمارے لیے دین کے تمام خادموں کا احترام ضروری ہے لیکن ان کی خلافِ کتاب و سنت تحریر و تقریر پر تنقید بھی ضروری ہے۔ ساتھ ہی ان کی خدمات کا اعتراف بھی لازمی ہے خواہ وہ محدثین ہوں یا فقہاء، یا صوفیاء، یا متکلمین، یا مفسرین۔ باقی رہا محاسبیؒ کے جنازے میں صرف چار آدمیوں کی شرکت کا مسئلہ۔ یہ واقعہ سند کے لحاظ سے درست نہیں۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں:

"قال القاسم النصرآبادی، بلغنی ان الحارث تکلم فی شیٔ من الکلام فہجرہٗ احمد بن حنبل فاختفی۔ فلما مات لم یصل علیہ الا اربعۃ نفر، وھٰذہ حکایۃ منقطعۃ" (میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۰۲)

ترجمہ:۔ قاسم نصرآبادی کا بیان ہے کہ مجھے یہ خبر ملی ہے۔ کہ حارثؒ نے چند کلامی مسائل کے بارے میں گفتگو کی تھی

جس کی بنا پر احمد بن حنبلؒ نے ان سے تعلقات ختم کر دیے۔ اس وجہ سے حارثؒ روپوش ہو گئے جب انکا انتقال ہوا تو نماز جنازہ میں صرف چار افراد نے شرکت کی۔ یہ حکایت (سند کے لحاظ سے متصل نہیں ہے بلکہ) منقطع ہے ۔"

اس قسم کی ناقابلِ اعتماد روایات وحکایات کی بنا پر امام احمد بن حنبلؒ جیسی شخصیتوں کی تحقیر وتذلیل کسی درجہ میں بھی مناسب نہیں۔ حارث محاسبیؒ کی تعریف وتوصیف اس قسم کے طنز کے بغیر بھی کی جا سکتی تھی۔ خود محترم چشتی صاحب نے امام احمد بن حنبل کی جرأت اور حق گوئی کا ان الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔

"امام صاحب (احمد بن حنبل) کی سوانح حیات پڑھکر راقم الحروف جیسے رسمی مسلمان کے دل میں بھی تھوڑی دیر کیلئے ایمان کی حلاوت کا رنگ پیدا ہو جاتا ہے۔ امام صاحب نے اس مشہور حدیث "افضل الجھاد کلمۃ حق عند سلطان جابر" پر بلا شک عمل کر کے دکھا دیا۔ سچ کہا ہے کسی نے ؎

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا ۔۔ ہر مدعی کے واسطے دار ورسن کہاں ۔ (میثاق مئی ۶۹ء صفحہ ۲۷)

جس طرح حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ نے عباسی حکمرانوں کے خلافِ قرآن وسنت نظریات اور افکار پر بے باکانہ نکیر فرمائی اور اس راہ میں ہر قسم کے مصائب وشدائد برداشت کیے۔ اسیطرح اگر انہوں نے حارث محاسبیؒ کے بعض مسائل کو خلاف شریعت پایا تو اس موقع پر وہ کیوں مداہنت کی راہ اختیار کرتے۔

علامہ اقبال کا شعر تو ان علماء سُو کے بارے میں ہے جو آپس میں ایک دوسرے سے الجھتے ہیں اور فروعی مسائل میں مناظرہ کے دنگل جماتے ہیں۔ لیکن وقت کے جابر اور کج رو حکام کے مقابلہ میں گربہ مسکین بن جاتے ہیں۔

میری اس تحریر کا مطلب یہ نہیں ہے کہ محترم چشتی صاحب کے مضامین افادیت سے خالی ہیں آپکا طویل مقالہ "تصوف میں غیر اسلامی نظریات کی آمیزش"۔ اور اسی طرح "برصغیر میں عیسائی تبلیغ کی تاریخ" اور اس قسم کے دوسرے مضامین انتہائی اہم اور مفید معلومات پر مشتمل ہیں۔ حال ہی میں اکبر مرحوم اور ان کی شاعری پر مقالہ بڑا ہی دل آویز اور فکر انگیز ہے۔ علامہ اکبر مرحوم کا حسب ذیل شعر حقائق ومعارف کا گنجینہ ہے ؎

تو خاک میں مل اور آگ میں جل جب خشت بنے تب کام چلے
ان خام دلوں کے عنصر پر بنیاد نہ رکھ تعمیر نہ کر "

(میثاق اکتوبر ۶۹ء)

اس ایک شعر میں دعوت واصلاح کا طریق کار اور پروگرام سمو دیا گیا ہے "گویا اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے"۔ اور "تجدید واحیائے دین" دونوں کا یہ نہایت فصیح وبلیغ اور غیر منسوخ متن ہے ۔۔۔ "

٭ ـــــ ٭

پروفیسر یوسف سلیم چشتی

الاخبار العلمیہ

پروفیسر اے جے آربری

پروفیسر موصوف جن کا انتقال ۲ر اکتوبر ۱۹۶۹ء کو ہوا، عصر حاضر کے مشہور مستشرقین میں سے تھے۔ مجھے افسوس ہے کہ اس مختصر شذرے میں ان کے مفصل حالات اور علمی کارناموں کا تذکرہ درج نہیں کیا جا سکتا۔ چند خصوصیات پر اکتفا کرتا ہوں:۔

(۱) انہوں نے ساری عمر بڑی یکسوئی کے ساتھ عربی اور فارسی ادبیات کی تحصیل میں اور کتب تصوف کو انگریزی زبان میں منتقل کرنے میں بسر کر دی۔ اس میدان میں وہ بلاشبہ اپنے استاذ نکلسن کے ہم پایہ تھے۔

(ب) انہوں نے ساری عمر اسلام، قرآن اور آنحضرت صلعم کے خلاف ایک لفظ نہیں لکھا اور اس وصف خاص میں وہ اپنے دونوں استادوں —— نکلسن اور مارگولیتھ —— سے قطعاً مختلف الرائے تھے۔ جنہوں نے مسائیوں کی تقلید میں نیش زنی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔

(ج) موصوف کا سب سے بڑا علمی اور ادبی کارنامہ قرآن مجید کا ترجمہ ہے۔ جس کو بطریق احسن انجام دینے کے لئے انہوں نے کئی سال مصر میں قیام کیا۔ اہل زبان کی صحبت اٹھائی اور عربی ادب، لغت اور معانی میں دسترس حاصل کی۔ ان کا یہ ترجمہ جارج سیل (SALE)، راڈویل اور پامر کے ترجموں سے باعتبار صحت و حلاوت و سلاست بھی بہتر ہے اور تصنیفی بددیانتی سے بھی پاک ہے سارے ترجمے میں مجھے صرف ایک جگہ اختلاف کرنے کا موقع ملا تھا۔ اس کی تصریح یہ ہے کہ آربیری نے "فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ" کا ترجمہ یہ کیا ہے:

"WHEN THOU ART EMPTY LABOUR" میں نے انہیں خط لکھا کہ یہاں فَرَغْتَ کا ترجمہ EMPTY کرنا مناسب نہیں ہے کیونکہ انگریزی زبان میں یہ لفظ کسی شئی مثلاً برتن کے خالی ہو جانے کے مفہوم میں آتا ہے۔ برتن EMPTY ہوتا ہے، آدمی EMPTY نہیں ہوتا۔ انہوں نے مجھے لکھا کہ آپ کا اعتراض صحیح ہے مگر میں نے فرغ کے لغوی معنی کو مد نظر رکھا ہے تاکہ متن سے "وفاداری" قائم رہ سکے اور اس میں شک نہیں کہ فراغ کے لغوی معنی خالی ہو جانے ہی کے ہیں۔ انگریزی زبان میں یہ مفہوم بلاشبہ

EMPTY VOID OR VACANT ایسے الفاظ ہی سے ادا ہو سکتا ہے

سیل نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے :

(WHEN THOU SHALT HAVE ENDED THY PREACHING)

مسٹر عبداللہ یوسف علی مرحوم "WHEN THOU ART FREE FROM THINE 'IMMEDIATE TASK'"

اگرچہ امام بیضاوی مرحوم نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ "جب آپ عبادت (نماز) سے فارغ ہوں تو کار تبلیغ میں محنت و مشقت برداشت کیجے۔ مگر میں ذاتی طور پر سیل سے متفق ہوں کہ جب آپ فرض منصبی یعنی کار تبلیغ سے فارغ ہوں تو عبادت کی مشقت برداشت کیجے۔

(ص) آمدم بر سر مطلب، موصوف نے تصنیف و ترجمے کے میدان میں اپنے استاد سے خاص مناسبت پیدا کی۔ مثلاً نکلسن نے اقبال کی اسرار خودی کا انگریزی میں ترجمہ کیا اور مقدمہ لکھا تو آربری نے اقبال کی رموز بیخودی کا ترجمہ کیا اور اس پر مقدمہ لکھا۔ نکلسن نے فرید الدہر شیخ ابن الفارض ؒ کے عدیم المثال قصیدہ تائیۃ الکبریٰ کا انگریزی میں ترجمہ کیا اور نہایت قیمتی حواشی کا ترجمہ بھی شامل کیا تو آربری نے دیوان ابن الفارض ؒ کا انگریزی میں ترجمہ کیا اور اشعار میں جس قدر صنائع و بدائع لفظی و معنوی آئے ہیں سب کی تشریح کی۔ ان حواشی کو دیکھ کر مجھے یہ محسوس ہوا ہے کہ شاید آربری نے "حدائق البلاغۃ" حفظ یاد کر لی تھی حقیقت یہ ہے کہ مستشرقین کی جانفشانی جستجو اور محنت شاقہ ہمارے لئے ایک مشفق درس عبرت ہے۔ جس کا اعتراف میرے فاضل دوست مولانا امتیاز علی خاں صاحب عرشی رامپوری نے اپنے ایک مقالے میں بڑی فراخدلی کے ساتھ کیا ہے۔

(ق) عصر حاضر میں نکلسن کے بعد آربری سے بڑھ کر کسی انگریز مستشرق نے تصوف کی اشاعت نہیں کی۔ انہوں نے قدماء کی نادر الوجود کتابوں کا انگریزی میں ترجمہ کر کے شائع کیا۔ کئی قلمی نسخوں کو علمی محنت سے مرتب (ایڈٹ) کیا۔ ان پر مقدمے لکھے۔ چنانچہ معالی الہمم بھی انہیں نوادر میں سے ہے۔ تصوف پر نہایت مستند چھوٹی سی کتاب لکھی جس میں ۲۸ نامور صوفیہ کے حالات اور افکار درج کئے۔

وہ شیخ اکبر حضرت ابن عربی ؒ (جن کو ناواقف لوگ "ابن العربی" لکھتے ہیں) کے بنیادی افکار کا خلاصہ لکھنے کے بعد یہ تبصرہ لکھتے ہیں۔

" اگرچہ مخالفوں نے بڑی شدت کے ساتھ ان پر حلول کی تعلیم دینے کا الزام لگایا ہے۔ مگر ان کا نظام فکر حلول کے بجائے وحدۃ الوجود پر مبنی ہے" (SUFISM P. ۶۱)

جب میں نے یہ عبارت پڑھی تو بے اختیار میرے منہ سے یہ شعر نکل گیا۔

حقیقت را بہ رندے فاش کردند
کہ ملا کم شناسد رمز دیں را (اقبال)

وجہ اس کی یہ ہے کہ اس ملک کے اکثر دانشور حلول (PANTHEISM) اور وحدۃ الوجود (MONISM) میں امتیاز نہیں کر سکتے

(۵۰) ساری تصانیف اور علمی مقالات کا تذکرہ تو نا ممکن ہے صرف ایک کتاب کا ذکر کر کے اس نوٹ کو ختم کرتا ہوں۔ وہ کتاب ہے "عربی شاعری کی ریاضت" یہ کتاب کیمبرج سے (جہاں وہ عربی کے پروفیسر تھے) ۱۹۶۵ء میں شائع ہوئی۔ شروع میں ۴۲ صفحات کا مقدمہ شامل کیا ہے جس میں عربی شاعری کی خصوصیات اور محاسن شعری اور صنائع و بدائع لفظی و معنوی بیان کئے ہیں۔ اس کے بعد پانچویں صدی عیسوی سے بیکر تا ایندم تاریخی ترتیب کے ساتھ اکتیس چوٹی کے شاعروں کا منتخب کلام درج کیا ہے۔ ہر شعر کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔ ایضاح مطالب اور حل مشکلات کے لئے حواشی لکھے ہیں۔ آخر میں ان شعراء کے مختصر سوانح حیات ماخذ کے ساتھ درج کئے ہیں۔ کاش اسی نوعیت کا کوئی انتخاب محترمی ڈاکٹر محمد یوسف صاحب صدر شعبہ عربی کراچی کے قلم سے شائع ہوتا اور میں اس پر تبصرہ لکھتا۔

۲۔ معانی الہمم — مصنفہ ابوالقاسم العارف

پروفیسر اے۔ جے۔ آربری نے اس نادر الوجود کتاب کے اپنے انگریزی ترجمے کے مقدمے میں لکھا ہے کہ:

" یہ وہ کتاب ہے جسے حاجی خلیفہ نے مشہور زماں ابوالقاسم جنید بغدادی سے منسوب کیا ہے لیکن یہ نسبت سراسر غلط ہے۔ کیونکہ اس کتاب میں ان لوگوں کا تذکرہ موجود ہے۔ جو حضرت جنید بغدادی کے بعد گذرے ہیں اور ایک جگہ خود ان کا ذکر بھی ہے

ابوالقاسم العارف نے ایک کتاب اور بھی لکھی تھی جسکا نام "القصد الی اللہ" ہے۔ جس کا ایک طویل اقتباس پروفیسر نکلسن نے "اسلامیکا" میں درج کیا ہے۔ اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ "القصد الی اللہ" میں ایک عبارت درج ہے جو ۳۹۵ھ / ۱۰۰۵ء میں لکھی گئی تھی۔ اس سے ثابت ہوا کہ ابوالقاسم جنید بغدادی اور ہیں اور ابوالقاسم العارف اور ہیں۔ جنید تو ۲۹۷ھ میں وفات پا چکے تھے۔

یہ قلمی نسخہ جس کا ترجمہ پیشِ خدمت ہے ۔موصل کے کتب خانے میں محفوظ ہے اور ۱۹۹۰ھ میں لکھا گیا تھا ۔ ابو یزید (بایزید) بسطامیؒ کا تذکرہ ہماری خاص توجہ کا مستحق ہے جو اس کتاب کی ... نویں فصل میں سپرد قلم کیا گیا ہے ۔اس میں بعض ایسے واقعات بھی درج ہیں جو اور کہیں دستیاب نہیں ہو سکتے ہیں (آربیری) برطانوی قونصل متعینہ موصل کا شکر گذار ہوں کہ انہوں نے اس نسخے کی نقل مجھے مرحمت کی "
اے ۔ جے ۔ آربیری

اس کتاب میں دس فصلیں ہیں شروع میں ایک مختصر دیباچہ ہے جس میں تالیف کتاب کا سبب بیان کیا ہے۔

فصلوں کے عنوان حسب ذیل ہیں :۔

پہلی فصل : ہمت کے مدارج اور ارباب ہمم کے طبقات ۔

دوسری فصل : اس صاحب ہمت کا تذکرہ جو دنیا اور عقبیٰ دونوں سے قطع نظر کرکے ان کے خالق کا طالب ہے ۔

تیسری فصل : اپنے عاشقوں کے لئے اللہ کی شان غیور ۔

چوتھی فصل : عارف کے تعلق مع اللہ کی شان ۔

پانچویں فصل : عارف کی خوبی اور علو ہمت ۔

چھٹی فصل : عارف کی زاہدانہ زندگی ۔

ساتویں فصل : ارباب ہمم کے مقلد کی شان ۔

آٹھویں فصل : ارباب ہمم کے کلمات وطیبات ۔

نویں فصل : ملفوظات بایزید بسطامیؒ

دسویں فصل : عجب اور کبر کے مخفی نقائص کی شرح ۔

اگر فرصت ملی تو اپنی مجوزہ "تاریخ تصوف" کے لئے اس کتاب کی تلخیص کروں گا ۔ سردست چند اقتباسات پر اکتفا کرتا ہوں ۔

لہ کیا خدا کی شان ہے کہ جب تصنیف کے لئے صحت اور دماغی طاقت میسر تھی وہ ساری

(باقی صفحہ آیندہ)

اقتباس از فصل دوم

منقول ہے کہ ایک دن حضرت علیؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے دریافت کیا" آپ نے ہم (صحابہؓ) پر کس امر کی بدولت یہ فضیلت حاصل کی ہے ؟ آپ نے جواب دیا" پانچ امور کی بدولت پہلی بات یہ ہے کہ جب میں نے اسلام قبول کیا تو میں نے دیکھا کہ انسان دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو اس دنیا کے طالب ہیں۔ دوسرے وہ جو آخرت کے طالب ہیں۔ لیکن میں نے دنیا اور عقبےٰ کے بجائے اپنے مولیٰ (اللہ) کو اپنا مقصود بنایا۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب میں اسلام میں داخل ہوا تو میں نے اس دنیا میں ذکر خدا کے سوا اور کسی شئے میں لذت محسوس نہیں کی اور اس کی اطاعت کے سوا اور کسی شئے میں لذت محسوس نہیں کی۔ تیسری بات یہ کہ جب میں اسلام میں داخل ہوا تو نہ میں نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور نہ سیر ہو کر پانی پیا۔ اس خوف سے کہ مبادا میری معرفت زائل ہو جائے اور مبادا میں خدا سے دور ہو جاؤں۔ چوتھی بات یہ کہ جب مجھے کبھی ایسی دو صورتوں سے سابقہ پڑا جن میں سے ایک خدا کی مرضی سے مطابقت رکھتی تھی اور دوسری میرے نفس سے تو میں نے اس صورت کو اختیار کیا کہ جو اللہ کی مرضی سے مطابقت رکھتی تھی۔ پانچویں بات یہ ہے کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت جملہ سب سے زیادہ نصیب ہوئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شخصیت کے تقدس کو تا دم وفات قائم رکھا عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ والسلام الیٰ یومِ تفیاھ۔ یہ سن کر حضرت علیؓ آبدیدہ ہو گئے اور بولے" اے ابو بکرؓ! تم پر اللہ کی سلامتی ہو۔"

منقول ہے کہ ایک دن حضرت علیؓ مسجد نبوی میں داخل ہوئے تو انہوں نے ایک بدوی کو دیکھا کہ مسجد کے ایک گوشے میں بیٹھا ہوا اللہ سے کہہ رہا تھا کہ" اے اللہ! مجھے بھنا ہوا گوشت کھانے کے لئے عطا فرما۔ میں اس کے سوا تجھ سے اور کچھ نہیں مانگتا۔ پس مجھے اسی سے اطمینان

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) مدت احمد آباد، جبلپور، پونا، اجمیر، جھانسی، کانپور، سوات، بمبئی بھیونڈی آگرہ اور راجکوٹ کے مسلمانوں کو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا مطلب سمجھانے کی سعیٔ لاحاصل میں ضائع کر دیا۔ اب جب کہ ۸۴ سال کی عمر میں " جنازہ بمنزل رسید " تو قوائے جسمانی مضمحل ہیں گئے جدید تصانیف کجا، جو مکمل مسودات فائلوں میں محفوظ ہیں ان پر نظر ثانی اور ناقص مسودات کی تکمیل کی طاقت نہیں ہے۔ غالباً میرے لئے ہی فرمایا ہے میرے خالق اور مصور نے:

اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰی ؟ (تسلیم چشتی)

حاصل ہو جائے گا کہ تو ایسا کریم ہے کہ بھوکے آدمی کی امید کو زائل نہیں کرے گا۔ اور سائل کو اپنے در سے مایوس نہیں کرے گا۔" اس کے بعد انہوں نے دوسری طرف نگاہ کی تو مسجد کے دوسرے گوشے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو دیکھا جو بارگاہِ ایزدی میں نہایت الحاح وزاری سے دعا کر رہے تھے۔ کہ اے اللہ میں تو صرف تجھے چاہتا ہوں اور تجھی کو طلب کرتا ہوں۔ میں نے دونوں جہان کے مقابلے میں صرف تجھے اختیار کر لیا ہے اور اگر تو مجھے مل جائے تو مجھے اطمینان حاصل ہو جائے گا۔ پس تو مجھے اپنا بنا لے اور مجھے مایوس مت کر۔"

یہ سنکر حضرت علیؓ آبدیدہ ہو کر کہنے لگے ان دونوں شخصوں کی آرزوئیں کتنی مختلف ہیں، ایک بھنے گوشت کا خواہاں ہے دوسرا خدا کا طالب ہے!"

فتوحات مکیہ کا ایک قیمتی نسخہ

نوٹ: یہ مضمون پروفیسر محفوظ الحق کلکتہ یونیورسٹی نے ۱۹۳۹ء میں لکھا تھا اور اپریل کے اسلامک کلچر حیدرآباد (دکن) میں شائع ہوا تھا۔ اس کی افادیت اور دلچسپی کے پیش نظر اس کی تلخیص ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

(پروفیسر یوسف سلیم چشتی)

نظام حیدرآباد نے جو قیمتی قلمی نسخے وکٹوریہ میموریل ہال کلکتہ کو دیئے ہیں۔ ان میں فتوحات مکیہ (حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کا شاہکار) کا ایک قیمتی نسخہ بھی شامل ہے۔ اس نسخے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے پہلے صفحے پر عبدالرحیم خان خاناں[1] (م ۱۰۳۶ھ) شہنشاہ جہانگیر (م ۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۷ء) اور سید محمد احمد آباد کے مشہور صوفی بزرگ (م ۱۰۴۵ھ / ۱۶۳۵ء) تینوں کے دستخط بھی ہیں اور یادداشتیں بھی ہیں چونکہ آخری صفحہ ندارد ہے اسلیئے کتابت کی تاریخ کا تعین نہیں ہو سکتا۔ مگر اتنا یقینی ہے، نویں صدی ہجری کا لکھا ہوا ہے۔

۱۔ خان خاناں، بیرم خان اتالیقِ اکبر مرحوم کا بیٹا تھا۔ ترکی، فارسی اور ہندی تینوں زبانوں میں شعر کہتا تھا۔ میں نے اس کے ہندی زبان میں دلنشیں دوہے زندگی میں سب سے پہلے ۱۹۰۵ء میں پڑھے تھے اسوقت سے اس وقت تک اس کے ساتھ ایک مخفی رابطہ قائم ہے۔ تین دوہے درج کرتا ہوں۔

(۱) جو گریب پر ہِت کریں سے رحیم بڑ لوگ — کہاں سداما باپ رو کرشن متائی جوگ

(۲) رحمن دے ترم چکے جو کہوں مانگن جاہیں — ان سے پہلے وے موئے جن مکھ نکست ناہیں

(۳) جس کے من میں لوبھ ہے دیا لو کیسے ہوئے — رحمن بگڑے دودھ کو متھو نہ ماکھن ہوئے

خان خاناں نے حسب ذیل عبارت اپنے قلم سے درج کی ہے:۔

"این کتاب عالی جناب بتاریخ ۱۰ ربیع الثانی ۹۹۲ھ در دار الامان احمد آباد حمیت عن الشرور الفساد، ملا حسن علی اصفہانی ابتیاع نمودہ آورد و داخل کتب خانہ فقیر حقیر کثیر التقصیر عبدالرحیم ابن محمد بیرم خاں عفی عنہما شد" اس عبارت کے بعد عبدالرحیم کی مہر ثبت ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ عبدالرحیم نے یہ نسخہ جہانگیر کی خدمت میں نذر کر دیا اور اس نے اس گنج شائگان کو میر سید محمد کو تحفۃً دے دیا۔ چنانچہ جہانگیر لکھتا ہے۔

"اللہ اکبر۔ درو قتیکہ نتیجۃ السادات میر جلال الدین محمد را از دار الخلافہ آگرہ بخدمت والد بزرگوار ش میر سید محمد کہ مزلور بلطفیت وصلاح آراستہ است رخصت بگجرات کردم۔ این کتاب نفیس شریف را کہ مسمیٰ الفتوحات مکیہ است بدست امد بمیر موصیٰ الیہ فرستادم حررہ نیاز مند درگاہ الٰہی نور الدین جہانگیر بادشاہ ابن اکبر بادشاہ غازی ۱۲ شوال ۱۰۲۷ھ)

میر سید محمد احمد آباد کے مشہور صوفی تھے۔ ان کا شجرہ نسب یہ ہے: میر سید محمد بن سید جلال الدین بن سید حسن بن سید عبدالغفور بن احمد شہید بن سید محمد الملقب بہ شاہ عالمؒ بن سید برہان الدین قطب عالم

---

۱ جب تک تزک جہانگیری کا مطالعہ نہیں کیا تھا میں بھی جہانگیر کو سر طامس رو کی گواہی پر محض "شراب کار سیا" سمجھتا تھا۔ مگر تزک سے معلوم ہوا کہ وہ علماء، صلحاء اور عرفاء تینوں کا بڑا قدر دان تھا، اور مشیت ایزدی کے سامنے سر تسلیم خم رکھتا تھا۔ عبارت مذکورہ بالا سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ اس کے دل میں عرفاء کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ حضرت مجدد صاحبؒ کے لئے تزک میں جو لفظ "شیاد" مرقوم ہے غالباً یہ حضرت اقدس کے دشمنوں کی افترا پردازی ہے۔

۲ اکتوبر ۱۹۶۵ء میں جب میں مسٹر جنید بیگ کے الیکشن کے سلسلے میں احمد آباد گیا تھا تو مشاہیر صوفیہ و سلاطین اور آثار قدیمہ سے قدرتی لگاؤ کی وجہ سے باتشوہ بھی گیا جہاں قطب عالم مدفون ہیں رسول آباد (مضافات احمد آباد) بھی گیا جہاں شاہ عالم مدفون ہیں اور سرکھیج (احمد آباد سے سات میل) بھی گیا جہاں شیخ احمد کھٹو اور سلطان دین پناہ محمود بیگڑھا مدفون ہیں مسجد ملحقہ مزار شاہ عالم میں نو لنگوروں نے اپنا مسکن بنا لیا تھا۔ اور مسجد ملحقہ مزار احمد کھٹو کو مسلمان تاربازوں نے اپنے کلب میں تبدیل کر لیا تھا۔ جب میں مسجد میں گیا تو مسلمان اللہ کے گھر میں اللہ کیساتھ مذاق کر رہے تھے۔ اگرچہ میں تنہا تھا اور وہ آٹھ دس تھے۔ تاہم دینی غیرت نے مجھ میں اتنی ہمت پیدا کر دی (باقی بر صفحہ آئندہ)

بن سید مخدوم جہانیاں جہاں گشت سید جلال الدین بخاری (مدفون مداچ م ۷۸۴ھ)
جہانگیر میر سید محمد کی بہت عزت کرتا تھا۔ یہ بھی عجیب حسن اتفاق تھا کہ میر سید محمدؒ اور مرشدی حضرت میاں میر لاہوری دونوں نے ۱۰۴۵ھ میں وفات پائی۔ جہانگیر نے اپنی توزک میں چار جگہ سید محمد کا ذکر کیا ہے۔ ایک جگہ لکھتا ہے کہ میں نے سید محمد کو دو ہزار روپے دیئے کہ اپنے جد امجد شاہ عالم کے عرس کا انتظام کریں۔ نیز لکھتا ہے کہ میں نے سید محمد کو قرآن مجید کا ایک نہایت خوشخط نسخہ نذر کیا اور ان سے التجا کی کہ اس کا سلیس فارسی میں ترجمہ کر دیں تاکہ عوام مستفید ہو سکیں ۔[۱]

(باقی حاشیہ ۳) کہیں ان پر بری طرح برس پڑا۔ ان لوگوں کے سر شرم کے مارے زمین میں گڑ گئے۔ اور یہ بات ان کے دل میں اتر گئی۔ کہ جہاں جا سو یہ شوق پورا کر سکتے ہو اللہ کے گھر کو کیوں ناپاک کرتے ہو۔ وہاں سے سلطان حامی اسلام کے مزار پر فاتحہ پڑھی۔ اس حاشیے میں اس سلطان ذی شان کے سیاسی علمی، مذہبی اور رفاہی کاموں کا تذکرہ محال ہے صرف ایک خوبی کا ذکر کرتا ہوں کہ مسلم انڈیا کی سات سو سالہ تاریخ میں سلطان محمود بیگڑھا (بیگڑھا یعنی دو قلعوں والا) پہلا اور آخری بادشاہ ہے جس نے جامع احمد آباد کی سیڑھیوں میں کھڑے ہو کر بہ نفس نفیس اسلام کی تبلیغ کی۔ یہ وہ کارنامہ ہے جو اورنگ زیب بھی انجام نہ دے سکا۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ سلطان نے ۱۵۱۱ء میں وفات پائی۔ اس حقیقت کا اظہار کئے بغیر اس حاشیے کو ختم نہیں کرنا چاہتا۔ کہ سلطان میں تبلیغ الاسلام کا یہ جذبہ اس چیز کی بدولت پیدا ہوا تھا جسے اس زمانے میں مسلمانوں کے دانشور لیڈر، فلسفی اور مدعیان اصلاح سب فضول بیکار بلکہ ذہنی پستی کی علامت سمجھتے ہیں اور وہ چیز بلکہ نعمت عظمیٰ ہے۔ "صحبت شیخ" جس کی اہمیت اقبال لاہوریؒ ساری عمر واضح کرتا رہا۔ مگر اس کے عقیدتمندوں نے اس کی اس نصیحت کو مجذوب کی بڑ سے زیادہ اہمیت نہیں دی۔

واضح ہو کہ سلطان محمود بیگڑھا حضرت شاہ عالمؒ کا مرید بھی تھا۔ اور پروردہ آغوش بھی کیونکہ اس کی حقیقی خالہ حضرتؒ کی بیوی تھی۔

اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ جس سلطان نے بھی تبلیغ کی۔ اس نے ضرور کسی نہ کسی درویش کی صحبت اٹھائی تھی ـــــ

[۱] اس بات سے ثابت ہے کہ جہانگیر دین سے بیگانہ نہیں تھا۔ جیسا کہ رومن کیتھولک پادریوں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے بلکہ وہ تو پکا راسخ العقیدہ سنی مسلمان تھا اور خواجہ اجمیر رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت پر فخر کرتا تھا۔

ادارہ

تنقید و تبصرہ

وقائع زندگانی اُمّ ہانیؓ

مؤلفہ علامہ محمود احمد عباسی

محمود عباسی صاحب نے تاریخ اسلام کے محقق کی حیثیت سے اپنا لوہا ہر صاحب انصاف سے منوایا ہے۔ خلافت حضرت معاویہؓ و امیر یزیدؒ مع تحقیقات مزید حقیقت خلافت و ملوکیت (تبصرہ محمودی برہفوات مودودی) وغیرہ کتب نے سوچنے والوں کو نیا انداز نظر بخشا ہے اور تاریخ کے نام سے بہت سی داستانیں اور افسانے جو صدہا سال سے مروج چلے آرہے تھے۔ پوست کندہ پیش کر دیئے ہیں۔ محمود عباسی صاحب کے لب و لہجے کی شدت اور تندی کے باوصف ان کی تحقیقی کاوش کے حضور سر تسلیم خم کرنا ہی پڑتا ہے۔

زیر تبصرہ کتاب حضرت اُمّ ہانیؓ کی زندگانی کے بارے میں ہے۔ بقول عباسی صاحب اس موضوع پر قلم اٹھانا اس لئے ضروری تھا کہ معراج کے واقعہ سے حضرت ام ہانیؓ کے گھر اور کنبے کو ایک اہم ربط حاصل ہے۔ حالانکہ درحقیقت کوئی ربط ہے نہیں۔ بعض مورخین و رواۃ کی غفلت اور بعض کی نیک نیتی نے السیرۃ الحلبیہ الاستیعاب کتاب نسب قریش، عیون الآثار، شرح ابن ابی الحدید، طبقات ابن سعد، اور المسعودی و یعقوبی وغیرہ کی سند سے جو نتائج بالصراحت حاصل کئے ہیں۔ ان میں سے ایک اہم نتیجہ یہ ہے کہ شب معراج کو حضورؐ کا ام ہانیؓ کے گھر میں ہونا بے بنیاد اور بے سرو پا روایت ہے۔ اس لئے کہ ام ہانیؓ "ہبیرہ" سے بیاہی تھیں جو بنو مخزوم سے تھا اور ابوجہل کا چچازاد بھائی تھا۔ رہائش اس کی بنو مخزوم ہی کے محلے میں تھی۔ ہبیرہ ابوجہل کی طرح غدار مشرک تھا۔ شاعر بھی تھا اور شاہسوار بھی۔ غزوہ بدر میں اس کے دو حقیقی بھائی کھیت رہے۔ خود وہ فتح مکہ کے بعد بھی ایمان نہیں لایا اور مکہ سے مفرور ہوگیا۔

اُمّ ہانی خود فتح کے بعد ایمان لائیں۔ اور اب چونکہ ایک مشرک کی بیوی نہ رہ سکتی تھیں لہٰذا شادی فسخ ہوگئی ———— سوال یہ ہے کہ جب ام ہانیؓ اسلام ہی حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کے مکہ سے ہجرت کر جانے کے آٹھ برس بعد لا رہی ہیں تو آپ نے مکہ کی زندگی میں ام ہانیؓ کے گھر عشاء کی نماز ام ہانیؓ اور اس کے گھر والوں کی معیت میں کیونکر ادا کی؟ اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابوجہل کے قبیلے کے ایک شخص بلکہ اس کے کنبے کے ایک ایسے شخص کے گھر میں رات کیونکر ٹھہرے جو مشرک تھا اور فتح مکہ کے بعد بھی مشرک ہی رہا۔ اس لئے معراج کے واقعہ کی ذیل میں حضرت ام ہانیؓ کے گھر میں حضور اکرمؐ کا قیام اور مقام اختراع سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

محمود عباسی صاحب کی تحقیق یہ بھی ہے کہ حضرت ام ہانی کا حضور اکرم سے بھی کبھی نکاح نہیں ہوا۔ مکہ کی زندگی میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امّ ہانیؓ کے والد ابوطالب بن عبدالمطلب کو شادی کا پیغام دیا تھا۔ مگر ابوطالب نے غریب و یتیم بھتیجے پر کھاتے پیتے ہبیرہ مخزومی کو ترجیح دی تھی ـــــ محمود عباسی صاحب کا خیال ہے کہ ام ہانی چونکہ حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب کی حقیقی ہمشیرہ تھیں اس لئے زمانہ مابعد کے بعض شیعی رواۃ خانوادۂ ابی طالب کی اہمیت بڑھانے کی خاطر معراج کے واقعہ کا آغاز حضرت امّ ہانی کے گھر سے کرنے لگے۔

اسی واقعہ کی تحقیق کی ذیل میں محمود عباسی صاحب نے خود شیعہ مورخین کی سند سے یہ بات ثابت کردی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت کا بار ابوطالب بن عبدالمطلب نے برداشت نہیں کیا تھا بلکہ یہ فرض زبیر بن عبدالمطلب نے ادا کیا تھا۔ زبیر بن عبدالمطلب قبیلہ بنو ہاشم کے رئیس اور سربراہ تھے۔ عبدالمطلب نے انہی کو اپنا وصی بنایا تھا اور اس امر پر خود یعقوبی جو شیعہ مورخ تھا شاہد ہے۔ حرب الفجار میں قریش کے جملہ قبائل اپنے اپنے سربراہ کے زیر سایہ میدانِ جنگ پہنچے تھے، بنو ہاشم کا جھنڈا زبیر بن عبدالمطلب نے اٹھا رکھا تھا ـــــ اور ان زبیر بن عبدالمطلب کی وفات کے وقت نبی اکرمؐ کی عمر تقریباً بائیس برس تھی تجارتی سفر یمن وغیرہ کی جانب نبی اکرمؐ نے زبیر بن عبدالمطلب ہی کے قوافل کے ہمراہ کیا تھا۔

ابی طالب بن عبدالمطلب کو قریش کے قبیلہ بنو ہاشم کی سربراہی زبیر کی وفات کے بعد ملی اس وقت نبی اکرم کی عمر بائیس برس کے لگ بھگ تھی۔ پھر اس وقت ابوطالب ان کی پرورش کیا کرتے؟ ـــــ محمود عباسی صاحب کی تحقیق یہ بھی ہے اور بالاسناد ہے کہ ابوطالب بن عبدالمطلب کی مالی حالت بہت کمزور تھی اور جسمانی طور پر وہ ایک اعضا سے قدرے معذور تھے۔ ان کا شمار لنگڑوں میں ہوتا تھا۔ چنانچہ وہ زیادہ محنت کے اہل نہ تھے۔ ان کی مالی حالت کا سقیم ہونا قدرتی

امر تھا ـــــ ضمناً یہ بحث بھی آگئی ہے کہ شعب ابی طالب کسی "شعب" کا نام نہ تھا جہاں بنو ہاشم کو ایک طرح کی نظر بندی کے عالم میں ایک مدت تک رہنا پڑا۔ "شعب" کا نام شعب بنی ہاشم تھا اور اس ضمن میں محمود عباسی نے قریب ترین عہد کے اور موثق حوالے دیئے ہیں۔ بہت بعد میں بغرض خاص اس شعب کا نام شعب ابی طالب رقم کیا جانے لگا۔ محمود عباسی صاحب نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ ابو طالب کا نام عبد مناف ہی تھا۔ عمران کے نام سے انہیں کوئی نہیں جانتا تھا۔ عمران کے نام سے انہیں پہلی بار نویں صدی ہجری میں عمدۃ الطالب کے مصنف نے یاد کیا ہے۔ عبد مناف اور عبد العزیٰ نام بنو ہاشم میں پہلے بھی موجود تھے ایک پشت اوپر ـــــ

اگر دودھ کا دودھ پانی کا پانی مطلوب ہو تو محمود عباسی صاحب کی تحقیق کو غیر جانب دارانہ دیکھ لینا چاہیئے۔ کم از کم موجودہ دور کے ان حضرات کو جو بخیال خویش حق کے طلبگار ہیں اور اپنے آپ کو محقق بھی جانتے ہیں۔ ہمارے دین اور ہماری اسلامی تاریخ کے باب میں پیدا کردہ بہت سی الجھنیں حقائق کو حقیقت پسندانہ نگاہ سے قبول کر لینے کے باعث ختم ہو سکتی ہیں لیکن حقائق تک رسائی کے لئے ذہن سلیم کی ضرورت ہے اور قباب دشمن کی سنی سنائی پر بھروسہ کر لینا اور پھر اڑے رہنا احقاق حق کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ اے کاش ہمیں دین باقی ہر ملحوظ سے عزیز تر ہوتا۔

کتاب مکتبہ محمودیہ ۲ بی ایریا لیاقت آباد کراچی سے مل سکتی ہے۔ لاہور کی ایجنسی مکتبہ علم و حکمت سوتر منڈی ہے۔ ضخامت ۱۹۲ صفحات ہے اور قیمت تین روپے۔

حدیث ثقلین مؤلفہ مولانا محمد نافع صاحب مدرس جامعہ محمدی شریف ضلع جھنگ۔ اس کتاب پر جو تقریظ مولانا شمس الحق صاحب افغانی مدظلہ شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاولپور نے تحریر کی ہے۔ وہ اس کتاب کا بہترین تعارف ہے۔ اس لئے ہم ذیل میں اسی تقریظ سے چند اقتباسات درج کرتے ہیں۔

"میں نے رسالہ حدیث الثقلین کو دیکھا جس میں اس روایت کے طرق اور اسانید کو جمع کیا گیا ہے۔ بعض روایات میں صرف کتاب اللہ کا ذکر ہے۔ بعض میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا ذکر ہے۔ تیسری قسم وہ روایتیں ہیں جن میں بجائے سنت رسول ؐ کے لفظ اہل بیتی یا عترتی آیا ہے۔ اول اور دوم قسم کی روایتیں صحیح ہیں اور مؤید بالقرآن ہیں کیونکہ قرآن میں جہاں اطیعوا اللہ اور اطیعوا الرسول آیا ہے۔ اس میں فلاح بشری کے لئے صرف اطاعت کتاب اللہ اور اطاعت سنت رسول اللہ کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اگر دین میں کسی تیسری چیز کی ضرورت ہوتی

تو یہ ناممکن ہے کہ قرآن حکیم ایسے مواقع میں اس کا ذکر نہ کرتا۔ بلکہ ایسے مواقع میں تمسک باہل البیت کو نظر انداز کرنا، فتح باب اضلال ہے۔ جو قرآن کی شان ہدایت کے خلاف ہے۔ جن روایات میں لفظ عترت یا اہل بیت آیا ہے وہ "روایۃً" یا "درایۃً" درست نہیں۔

بہرحال رسالہ حدیث الثقلین میرے نزدیک اپنے موضوع میں بے مثال ہے اور دونوں فریق بشرط انصاف اس سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ (انتہیٰ بلفظہٖ ص۲۶ تا ص۲۸)

رسالہ کا سائز $\frac{20 \times 30}{16}$، ۲۶۲ صفحات۔ کاغذ معمولی، کتابت گوارا۔ شائع کردہ دار التصنیف جامعہ محمدی شریف ضلع جھنگ۔ قیمت تین روپے۔

(ی۔س۔ح)

"مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق" تالیف ڈاکٹر اسرار احمد

میری رائے میں برادرم اسرار احمد سلمہٗ پر اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے کہ ایم بی بی ایس کرنے کے بعد ان کی توجہ قوم کے روحانی امراض کے ازالے کی طرف منعطف ہو گئی۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔ میری رائے میں انہوں نے بالکل ٹھیک تشخیص کی ہے۔ قوم کے تمام روحانی امراض ایک بنیادی مرض سے پیدا ہوئے ہیں اور وہ مرض ہے قرآن حکیم سے بے اعتنائی۔ بے تعلقی بلکہ ہجر قبیح۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قبل از گرفت متنبہ فرمایا ہے۔ وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ط

ڈاکٹر صاحب نے اردو زبان میں غالباً "پہلی مرتبہ" اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے کہ قرآن مجید کے ہم مسلمانوں پر کیا حقوق ہیں۔ عام طور سے مسلمان اپنے اوپر قرآن مجید کا یہ حق سمجھتے ہیں کہ

ا۔ اسے ریشمی جزدان میں رکھا جائے۔

ب۔ لڑکی کو جہیز میں دیا جائے۔

ج۔ قریب الموت کے سرہانے اس کی ایک خاص صورت پڑھی جائے۔ تاکہ دم نکلنے میں قدرے آسانی ہو جائے۔

د۔ عدالتوں میں قسم کھاتے وقت اسے "چک" کر سر پر رکھ لیا جائے۔

ہ۔ پریشانی کے وقت اس سے فال کھول لی جائے۔

لیکن ڈاکٹر صاحب نے ان باتوں کی بجائے پانچ بالکل مختلف حقوق بیان کئے ہیں۔ ان کو پڑھ کر راقم الحروف نے دل سے بے اختیار مصنف کے لئے دعا نکلی۔ وہ پانچ حقوق حسب

ذیل ہیں۔ (۱) ایمان و تعظیم۔
ب۔ تلاوت و ترتیل
ج۔ تذکر و تدبر
د۔ حکم و اقامت
ہ۔ تبلیغ و تبیین

مجھے یقین ہے کہ اگر مسلمان اس کتابچے کو "جو بقامت کہتر و بقیمت بہتر" کا مصداق ہے۔ غور سے پڑھیں گے تو انہیں قرآن مجید سے وہی رابطۂ قلبی پیدا ہو جائے گا جو عین منشاء ایزدی ہے۔ انشاءاللہ یہ مضمون لکھ کر ڈاکٹر صاحب نے اپنے لئے سعادت اخروی کا بڑا ذخیرہ جمع کر لیا ہے۔

کتاب کا سائز ۲۲×۱۸/۸ ۴۷ صفحات۔ کتابت و طباعت دیدہ زیب۔ کاغذ معمولی، قیمت ایک روپیہ۔ ملنے کا پتہ دارالاشاعت الاسلامیہ، کوثر روڈ۔ اسلام پورہ (سابق کرشن نگر) لاہور ۱۱ (یوسف سلیم چشتی الحسینی)

دلائل فاتحہ شریف

مصنفہ محمد مرزا منور علی بیگ احسن گیسو دراز قادری شطاری۔

مصنف نے اس کتابچے میں یہ ثابت کرنے کی سعی ناقص کی ہے کہ "اگر کوئی مسلمان حضرت محبوب سبحانی رضی اللہ عنہ کے ایصال ثواب کیلئے یا کسی اور بزرگ کے ایصال ثواب کے لئے ان کے نام کا بکرا وقف کر کے ذبح کرتا ہے اور اس کی نیاز پکا کر تقسیم کرتا ہے یا کھلا دیتا ہے تو اس کا یہ عمل دراصل اس سنت کی اتباع ہے۔ جس میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہؓ کے وصال کے بعد بکثرت ذکر کر کے ان کی جانب سے بکرا ذبح کر کے اس کا گوشت تحفہ بھیجا" ص ۳۳

نفس مسئلہ پر اظہار خیال سے پہلے ہم مسلمانوں کو اس غلطی کی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں جو ہماری آنکھوں دیکھتے دیکھتے اس قدر متداول اور مقبول ہو گئی ہے کہ اب کسی کا ذہن اس کے ازالے کی طرف منتقل ہی نہیں ہوتا۔ اس بیسویں صدی کے آغاز تک تمام مسلمانوں کا دستور العمل یہ تھا کہ :۔

ا۔ وہ انبیاء کے لئے علیہ السلام
ب۔ صحابہؓ کیلئے رضی اللہ عنہ یا رضی عنہ

ج ۔ اولیائے امت کے لئے رحمتہ اللہ علیہ اور

د ۔ عامتہ المسلمین کے لئے مرحوم یا مغفور کے الفاظ استعمال کیا کرتے تھے۔

لیکن تقسیم کے بعد سے صدیوں کا یہ معمول ترک کر دیا گیا ہے۔ یعنی اب مسلمان غیر نبی کے لئے علیہ السلام اور غیر صحابی کے لئے رضی اللہ عنہ اور غیر ولی یا عامتہ المسلمین کے لئے رحمتہ اللہ علیہ کا لقب استعمال کرنے لگے ہیں۔ اگر غلط بخشی کا یہی عالم رہا تو امید ہے کہ آئندہ زمانے میں صرف زلف بتاں کا فر رہ جائے گی باقی جملہ افراد زمرۂ اولیاء میں شامل ہو جائیں گے۔

آمدم برسر مطلب مصنف نے جس مسئلے پہ اظہار خیال کیا ہے اس پہ گذشتہ ڈیڑھ سو سال میں اس قدر لکھا جا چکا ہے کہ اب کوئی شخص اس پہ کوئی اضافہ نہیں کر سکتا۔ یعنی کوئی نئی دلیل موافقت یا مخالفت میں پیش نہیں کر سکتا۔

چنانچہ مصنف نے قرآن کی اس آیت کا جو اس مسئلے پہ نص قطعی الدلالتہ ہے۔ کوئی ذکر نہیں کیا۔ بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل سے استشہاد کر کے قیاس مع الفارق کی بہترین مثال پیش کی ہے۔

بے شک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رض کی طرف سے قربانی کر کے اس کا گوشت ان کی سہیلیوں کو بھیجا تھا مگر اس نقل سے مصنف کا دعویٰ کس طرح ثابت ہو سکتا ہے؟ اہل بدعت شیخ جیلانی رح کی طرف سے قربانی کہاں کرتے ہیں؟ وہ تو ان سے مرادیں مانگتے ہیں اور اللہ کو واسطہ بناتے ہیں جس پہ "یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ" شاہد عدل ہے اور اور منت مانتے ہیں کہ اگر مثلاً میرا بیٹا قتل عمد کے الزام سے بری ہو گیا تو میں آپ کے نام پہ دس بکرے ذبح کر کے لوگوں کو کھلاؤں گا۔ یہ منت (غیر اللہ سے مراد مانگنا) شرک بھی ہے اور اس آیت کی تکذیب بھی ہے "وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللهِ بِهِ" (۵-۳) اس کی تشریح میں حضرت شاہ عبد القادر رح فرماتے ہیں کہ "اس سے معلوم ہوا کہ جو جانور غیر خدا کے نام پہ ذبح کیا جائے وہ مردار ہے"

چونکہ اہل بدعت جانتے ہیں کہ قرآن کی یہ آیت اُن کے عقیدہ باطلہ کی تردید کرتی ہے۔ اس لئے وہ اس سے قطع نظر کر لیتے ہیں اور یا تو ضعیف روایتوں سے استدلال کرتے ہیں یا پھر قیاس مع الفارق کا ارتکاب کر کے اہل علم کی نگاہوں میں اپنی تضحیک کا سامان کرتے ہیں۔ قرآن اور احادیث صحیحہ مرفوعہ کی رو سے نہ کوئی مسلمان غیر اللہ کو پکار سکتا ہے نہ اسے مشکل کشا یا حاجت روا سمجھ سکتا ہے، نہ اس کے نام پہ کوئی جانور ذبح کر سکتا ہے نہ اس سے مراد طلب

کر سکتا ہے۔ نہ اس کے نام کی منت مان سکتا ہے نہ اس کے نام پر نذر و نیاز دے سکتا ہے بلکہ صوفی تو غیر اللہ کی طرف متوجہ بھی نہیں ہو سکتا۔ تصوف میں یہ توجہ الی الغیر بھی شرک ہے۔ جب شیخ جیلانی سے بوقت وفات ان کے فرزند اکبر عبدالوہاب نے کہا کہ ابا جان ہمیں وصیت فرمائیے تو انہوں نے حسب ذیل وصایا کیں۔

۱۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔

۲۔ اللہ کے سوا کسی سے مت ڈرو۔

۳۔ اللہ کے سوا کسی سے کوئی امید مت رکھو (کیوں کہ سب خود محتاج ہیں)

۴۔ اپنی تمام حاجات اللہ سے طلب کرو (کیونکہ کوئی حاجت روا نہیں)

۵۔ اللہ کے سوا کسی پر بھروسا مت کرو۔ (کیوں کہ سب فانی ہیں۔)

۶۔ اپنے سارے معاملات اللہ کے سپرد کر دو (کیوں کہ اس کے سوا کوئی کارساز نہیں ہے)

۷۔ اللہ کے سوا کسی پہ وثوق مت کرو۔

۸۔ توحید کو لازم پکڑو۔ کیوں اس پر سب اولیاء کا اجماع ہو چکا ہے۔

(شرح فتوح الغیب از شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص۱۳۱ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ ۱۸۹۷ء)

کتنے افسوس کی بات ہے کہ شیخ جیلانی بانی سلسلہ قادریہ تو یہ تلقین کریں کہ اللہ کے سوا کسی کو مت پکارو اور ان کے عشاق انہیں کو پکارتے ہیں۔ اور دستگیر، مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے ہیں۔

راقم الحروف اکثر سوچا کرتا ہے کہ کفار چاند پہ کمندیں ڈال رہے ہیں۔ اور مومنین مزاروں کو گلاب سے غسل دے رہے ہیں اور اس غسالہ کو تبرک سمجھ کر پی رہے ہیں!

یہ اسی مزار پرستی کا نتیجہ ہے کہ آج بیت المقدس پر یہودیوں کا قبضہ ہے اور فاتحہ شریف کو ضروری سمجھنے والے اس شہر کو ان سے واپس نہیں لے سکتے۔

کتاب ہذا $\frac{20\times30}{16}$ ۴۸ صفحات۔ کاغذ اور کتابت معمولی۔ شائع کردہ سیکرٹری بزم طاہریہ قادریہ ۱۲۹/۱ بہادر آباد ۸/۵ امیر خسرو روڈ کراچی ۵۔ غالباً بلا قیمت مل سکتی ہے۔

ی۔ س۔ ج

بقیہ " نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم محب و مونس کی حیثیت سے "

(از صفحہ ۵۶)

پُرامن طور سے اپنے گھر میں مقیم تھے۔ یہ لوگ کسی کو تعلیم حاصل کرنے پر مجبور بھی نہ کرتے تھے۔ ان میں سے ایک صحابی حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اتفاقاً کسی طرح نہ بچ سکے۔ وہ بحیثیت قیدی مکہ لائے گئے جن کو صفوان بن امیہ نے اس غرض سے خرید لیا کہ اپنے باپ کے قتل کے بدلہ میں ان کو قتل کرے۔ سو جب وہ سولی پر چڑھائے گئے تو ابو سفیان نے از راہ استہزا ان سے کہا اے زید! قسم کھا کر کہنا کیا تم یہ پسند کرتے کہ اگر اس وقت ہمارے پاس تمہاری بجائے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوتے اور ان کی گردن حوالہ شمشیر کی جاتی اور تم آرام سے اپنے گھر میں ہوتے۔ جاں نثار صحابی کا خلوص میں ڈوبا ہوا جواب سننے کے لائق ہے وہ یوں گویا ہوئے " واللہ میں یہ ہرگز پسند نہیں کر سکتا کہ میں آرام سے گھر میں بیٹھا ہوتا اور اس وقت میری بجائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے۔ ارے تم کیا جانو، ہمیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کانٹا چبھنے کی معمولی سی تکلیف بھی گوارہ نہیں۔ یہ سننا تھا کہ ابو سفیان نے بڑی دہشت و حیرانی کے ساتھ چیخ مار کر کہا میں نے کسی انسان کو اس شان کا نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھی اس درجہ محبت رکھیں جس درجہ کی محبت اصحاب محمدؐ کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے" سچ فرمایا خداوند قدوس نے "انک لعلیٰ خلق عظیم" (ترجمہ: اے نبی تم یقیناً بڑے اعلیٰ سیرت و اخلاق کے حامل ہو) اس بنا پر کہنے والے نے کیا خوب کہا ہے۔

لا یمکن الثناء کما کان حقہ　　بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اللھم صلی علی سیدنا محمد و آلہ بقدر حسنہ و جمالہ۔

(بشکریہ ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن کراچی)

بقیہ " آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت شوہر " از صفحہ ۶۲

ذرا دیکھ کر! یہ (عورتیں) آبگینے (بھی ساتھ) ہیں اور سچ یہ ہے کہ سیرت مبارکہ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ آپ نے ان آبگینوں کی نزاکت کا پورا پورا خیال رکھا۔ صنفِ لطیف کے مزاج کی نزاکت کا آپ نے ہر ہر قدم پہ ہر ہر بات میں اس طرح لحاظ فرمایا۔

بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک مثالی شوہر تھے

صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلموا تسلیما

(بشکریہ ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن۔ کراچی)

علوم قرآنی کا بیش بہا خزانہ

مولانا امین احسن اصلاحی

کی تفسیر

تدبرِ قرآن

جلد اول —— مشتمل بر

مقدمہ و تفسیر آیۂ بسم اللہ ، سورۂ فاتحہ ، سورۂ بقرہ و سورۂ آل عمرن

سائز ۲۹/۸ × ۲۲ ، صفحات ۸۸۰

عمدہ دبیز سفید کاغذ ———آفسٹ کی دیدہ زیب طباعت

جرمی پشتہ کی مضبوط و پائدار جلد کے ساتھ

ہدیہ تیس روپے——— محصول ڈاک : ڈھائی روپے

(بتیس روپے پچاس پیسے بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں یا وی پی طلب کریں)

(نمونہ کے صفحات مفت طلب فرمائیں)

اس کے علاوہ

تفسیر آیت بسم اللہ و سورۂ فاتحہ

علیحدہ مطبوعہ بھی موجود ہے
بذریعہ ڈاک طلب فرمانے کے لئے
۸۵ پیسے کے ٹکٹ ارسال فرمائیں

بڑا سائز - صفحات ۳۶ - ہدیہ ۷۵ پیسے

★

-: شائع کردہ :-

دارالاشاعۃ الاسلامیہ لاہور

کوثر روڈ ، اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور - 1 (فون 69522)

اصحاب ذوق کے لئے خوش خبری

مولانا امین احسن اصلاحی

کی شاہکار تصنیف

دعوتِ دین اور اس کا طریقِ کار

چھپ کر تیار ہو گئی ہے

اس کتاب میں انبیائے کرام کا طریقہ تبلیغ میں نے تفصیل کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اس زمانے میں جس طرح دین کا مفہوم لوگوں کے ذہن میں ادھورا اور ناقص ہے، اسی طرح دین کی تبلیغ کا مفہوم بھی بہت ہی محدود اور غلط ہے۔ میں نے اس کتاب میں دین کو بحثیت ایک نظام زندگی کے (جیسا کہ وہ فی الواقع ہے) سامنے رکھا ہے۔ اسی حیثیت سے اس جدوجہد کے تمام تقاضوں اور اس کے تمام مراحل کی تفصیل کی ہے جو اس نظام کو برپا کرنے کے لئے اختیار کرنی پڑتی ہے میں نے اس کتاب کی ہر فصل کی بنیاد قرآن مجید کے محکم دلائل پر رکھی ہے۔ پھر جہاں کہیں ضرورت محسوس کی ہے صحیح احادیث سے اس کی وضاحت کی ہے۔ مجھے امید ہے کہ جو لوگ اس کتاب کو غور سے پڑھیں گے وہ اس کو فہم قران میں بھی معین پائیں گے۔

(مولانا امین احسن اصلاحی)

سائز ۱۸ × ۲۲/۸ صفحات ۲۳۲ طباعت آفسٹ خوشنما کور
قیمت پانچ روپے (ایک روپیہ محصولڈاک اس کے علاوہ)

★

شائع کردہ

دار الاشاعۃ الاسلامیہ لاہور

کوثر روڈ، اسلام پورہ (کرشن نگر) لاہور۔ ۱ (فون 69522)

پبلشر : محی الدین، طابع : شیخ محمد اشرف مالک اشرف پریس ایبک روڈ لاہور